[illegible]

[illegible]

[illegible]

سیرت ام ناصر

پیش لفظ

میں نے سیدہ ام ناصر کی سیرت کا آغاز گذشتہ سال کیا تھا مگر بعض نامساعد حالات کے باعث جلد ختم نہ کر سکا۔ اس دوران میں کئی احباب بار بار اصرار کرتے رہے کہ میں جلد شائع کراؤں اب ایک سال اور تین ماہ بعد سیدہ ام ناصر کی سیرت کا مختصر سا خاکہ احباب جماعت کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کی سوانح کو مفصل نہ لکھ سکا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔

کتاب کا لکھنا خواہ وہ سوانح ہی کیوں نہ ہو بے حد مہارت اور تجربہ چاہتا ہے۔ اور میں اس بات کو شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ اس کتاب میں علمی اور ادبی کئی خامیاں رہ گئی ہیں مجھے امید ہے احباب آئندہ ایڈیشن کے لئے مجھے اپنے قیمتی اور مفید مشوروں سے نوازیں گے۔

اب میں اپنے دو بڑے بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے میری مالی مدد کر کے مالی مشکلات کو دور کیا اور دعاگو ہوں کہ خدا تعالیٰ اپنی بے شمار

Done
اندراج: GD. 2527
درجہ بندی: 922.51
کتاب نمبر: رف ی س

نعمتوں سے انہیں نوازے آمین

آخر میں چند قابل ذکر ہستیوں کا شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے انتہائی خلوص اور محبّت سے اپنا قیمتی وقت دے کر کتاب کو اپنی زیر نگرانی شائع کروایا اور جن کی وجہ سے مجھے بعض سہولتیں میسر آئیں وگرنہ میرے جیسے ناتجربہ کار انسان کا اسے شائع کرنا کارِ دارد تھا۔

بہر حال سب سے پہلے عابد علی صاحب عمر کا ممنون ہوں کہ انہوں نے انتہائی محنت سے ہر کام کیا اور در اصل کتاب کا اس قدر جلد منظر عام پہ آجانا اُن ہی کا مرہونِ منت ہے۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کی مشکلات کو بھی اپنے فضل اور رحم سے دُور کرے اور ہر قسم کی دُنیوی اور دینی ترقیوں سے نوازے۔ آمین

اسی طرح ثاقب صاحب زیروی اور ملک سیف الرحمٰن صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ صاحبان نے اپنا قیمتی وقت دے کر پروف ریڈنگ اور مضمون دیکھنے میں میری مدد کی۔ اور ساتھ ہی اس اعلان کے ساتھ اس کو ختم کرتا ہوں کہ کتاب کی جتنی بھی آمدنی ہوگی۔ وہ صدقہ جاریہ کے طور پہ سیدہ ام ناصر کی طرف سے بطور چندہ دے دی جایا کرے گی۔ والسلام

۳/۱۱/۵۹

خادم

مرزا رفیق احمد

چند جھلکیاں

اے میری محبوب امّی! اب کہاں پاؤں تجھے
کیسا بے بس ہوں کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں تجھے

آج میں ایک ایسی ہستی کی سوانح حیات کا آغاز کر رہا ہوں۔ جس نے قدرت کے اٹل قوانین کے سامنے سر جھکا کر مجھے اس دُنیا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تنہا چھوڑ دیا۔

ماں کی محبّت اس قدر لازوال اور اتنی بے لوث ہوتی ہے کہ دُنیا کا کوئی انسان اس سے متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ خود مذہب نے ماں کی محبّت کے تقدس کا بڑے احترام اور عزّت کے ساتھ نقشہ کھینچا ہے۔ انسان اپنے باپ اور ماں دونوں سے محبت کرتا ہے لیکن ماں کی محبت کے نقوش اس قدر گہرے ہوتے ہیں کہ اس کی جدائی ایک داغ چھوڑ جاتی ہے جو ہمیشہ سینے سے چپکا رہتا ہے۔ بقول شخصے ؎

عمر بھر یہ داغ اب سینے سے جا سکتا نہیں

زندگی میں زندگی کا رنگ آسکتا نہیں

جبھی ماں کی موت پر انسان خون کے آنسو روتا رہا ہے ہمیشہ سے شعراء مختلف انداز سے اس کرب ناک کیفیت کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ اور ہے بھی یہ عین فطرتی چیز! کون ہے وہ احسان فراموش جو مہینوں ماں کی چھاتیوں سے خون چوستا رہا ہو۔ اور جس نے سالہا سال اُسے راتوں کو اپنے لئے جاگتا پایا ہو پھر وہ اُس کی جدائی کو اہمیت نہ دے اور اس کے فراق میں مرغ بسمل کی طرح نہ تڑپے۔

موت کی ایک ایسی گتھی ہے جو بڑے سے بڑے حکیموں اور فلسفیوں سے بھی نہ سلجھ سکی۔ حاذق سے حاذق اطباء اس کی ماہیت نہ سمجھ سکے۔ جنگجو سپہ سالار اور بلند اقبال سلاطین کی سطوت و جبروت بھی اس کے مقابلہ میں ہمیشہ سپر ہی ڈال دیتی رہی۔ مجھے موت کا فلسفہ بیان کرنا مقصود نہیں صرف یہ کہنا ہے کہ یہ شراب یا زہر چاہے کچھ بھی کہہ لیں ایسی چیز کا ایک پیالہ ہر انسان کو پینا ہی پڑتا ہے مگر بعض ہستیوں کی موت اس قدر تلخ ہوتی ہے کہ اُسے اگر مذہبی نقطہ نگاہ سے نہ دیکھا جائے تو شاید اُن کی موت بعض انسانوں کو پاگل اور مجنون بنا دے۔ عموماً ہر مذہب اور خصوصیت سے اسلام تو اس زندگی کو اگلے جہاں کی حیات کا پہلا زینہ بتاتا ہے۔ گویا موت دوسرے جہاں کی حیات کا پیغام لاتی ہے۔ اور یہ چیز انتہائے سکون کا باعث بن جاتی ہے کہ ہماری جدائی عارضی ہے ہم اپنے محبوب سے جلد یا بدیر دوبارہ ضرور ملیں گے۔ اور ہمیشہ کیلئے خدا تعالیٰ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے فرماتا ہے "یسئلونک

مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۔ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ۵ (سورہ بقرہ آیت ۲۱۴)

اس جگہ خدا تعالےٰ نے اُن لوگوں کو جو اپنے اموال کے صحیح خرچ کے متعلق استفسار کرتے تھے۔ فرمایا ہے تم لوگ اپنے اموال کو والدین، رشتہ داروں، یتامیٰ، مساکین وغیرہ پر خرچ کرو۔

قرآن کریم نے یتامیٰ اور مساکین کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اس لئے کہ اگر معاشرہ ان کا صحیح خیال نہ رکھے گا تو اس میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ اور اس کا خطرناک اثر وسیع ہو کر پوری قوم کو تباہی کی طرف لے جائیگا چنانچہ سورہ ماعون میں بھی بڑے واضح احکام ہیں۔ اور مسلمانوں کو بڑی تحدی اور زور سے یہ کہا گیا ہے کہ یتامیٰ تمہاری قوم کا جزو ہیں ان کی ہر طرح خبر گیری کرو۔ لیکن مذکورہ آیت میں خدا تعالےٰ نے والدین کو یتامیٰ سے باوجود اُن کی اس قدر اہمیت کے پہلے رکھا ہے۔ اسی آیت کو احادیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اُن لوگوں کو جو اپنے پاؤں پر کھڑے ہو چکے ہوتے ہیں اور کسی کے محتاج نہیں رہتے بڑی تاکید سے یہ تعلیم دیتا ہے کہ اپنی ماں کا خیال رکھو اور کسی قسم کا دُکھ اور تکلیف نہ پہنچاؤ کیونکہ بچّہ نو ماہ ماں کے پیٹ میں خون پی پی کر اس درجہ پر پہنچتا ہے کہ اس میں زندگی کے آثار پیدا ہوں۔

پھر پیدائش کے وقت وہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو بیرونی دنیا سے

متعارف کرانے کے لئے موت وحیات کی جاں گزا کشمکش سے گذرنا پڑتا ہے۔

دوئم۔ پیدائش کے بعد ماں کے جسم کا خون پھر دودھ کی صورت میں چھاتیوں میں اُتر آتا ہے اور وہ اپنے ننھے پودے کی سال ڈیڑھ سال بلکہ قرآنی احکام کے مطابق دو سال تک خون سے آبیاری کرتی ہے۔

سوئم۔ دو سال کے بعد بھی ماں کے فرائض ختم نہیں ہو جاتے بلکہ اس کے فرائض میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ بچے کی صحیح تربیت کرنے کا، یہ وہ نازک مقام ہے جہاں تقدیر قوموں کے بننے اور بگڑنے کے فیصلے کیا کرتی ہے۔ کیونکہ اچھی ماؤں کے پالے ہوئے لال قوم کے لئے ترقی کا پیغام لاتے ہیں۔ بے شک عمر کے اس حصہ میں باپ کا فرضِ تربیت بھی شروع ہو جاتا ہے لیکن اس فرض کا اہم ترین کردار دراصل ماں ہی ادا کرتی ہے۔ شاید اسی لئے اسلامی فقہ کی رُو سے تقریباً ۹ سال کی عمر تک بچہ کا ماں کے پاس ہی رہنا ضروری ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ماں کے پیروں تلے جنت ہے گویا والدہ کی صحیح تربیت بچہ کے لئے جنت کے دروازے کھول دیتی ہے۔ اسی طرح اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر تم ماں کے آرام کا خیال رکھو گے (جس طرح اُس نے تمہارے لئے اپنے سُکھ کو قربان کیا تھا) تو خدا تعالیٰ تمہارے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شدید بارش اور طوفان کے وقت تین آدمی ایک غار میں پناہ گیر ہوئے سوءِ اتفاق سے ایک بڑا بھاری پتھر طوفان کے باعث لڑھکتا لڑھکتا غار کے عین دہانے پر آ پڑا۔ اور غار کا منہ بند ہو گیا اور تینوں نے مل کر اُسے ہٹانے کی کوششیں شروع کیں۔ تینوں آدمی جب زور آزمائی کر چکے

اور پتھر کو اپنے راستہ سے ہٹانے میں ناکام رہے اور پتھر کسی صورت ذرا سا بھی نہ سرکا تو تینوں نے اپنی زندگی کی چند قربانیوں کا ذکر کرتے خدا تعالےٰ سے چاہا کہ ان کے انعام کے طور پر ہی وہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ جائے اور وہ باہر نکل آئیں۔ پہلے دو نے اپنی اپنی قربانیاں بتلائیں مگر پتھر اپنی جگہ بدستور قائم رہا۔ تو آخری شخص نے اپنی قربانی بیان کرتے ہوئے کہا۔ کہ اے خدا ایک روز میری بوڑھی ماں نے مجھ سے پانی مانگا یہ رات کا ابتدائی وقت تھا لیکن جب مَیں پانی کا پیالہ لے کر آیا تو میری ماں سو چکی تھی۔ مگر مَیں نے نہ تو اس خیال سے اُسے جگایا کہ تکلیف ہوگی اور نہ مَیں اس خیال سے پانی کا پیالہ لے کر واپس ہی لوٹا کہ شاید اُس وقفہ میں اُس کی آنکھ کھُل جائے۔ اور وہ پیاس کی شدت سے نڈھال ہو جائے بس صبح تک اُسی طرح پانی کا بھرا پیالہ اپنی ہتھیلی پر رکھے اس کے سرہانے کھڑا رہا۔ اے خدا تو میری اسی بات کے عوض اس پتھر کو اپنی جگہ سے ہٹا دے۔

کہتے ہیں اُسی وقت بجلی کوندی اور اس پتھر پر گری اور پتھر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور اس طرح اُن تینوں کے لئے غار سے نکلنے کا راستہ نکل آیا۔

پھر حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ خدا تعالیٰ ماں سے زیادہ پیار کرتا ہے یہاں پہ باپ کا ذکر نہیں صرف ماں کی محبت ہی کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کی محبت زیادہ پُر خلوص اور بے لوث ہوتی ہے۔ اور اس حدیث کا اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ماں کا وجود

خدا تعالیٰ کی دو صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ اوّل خدا ستار ہے۔ وہ بندوں کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ ماں کی فطرت میں بھی ستاریت کا جوہر بدرجۂ اتم ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے بچے کی غلطیوں کی پردہ پوشی کر کے کبھی پیار سے اور کبھی جھڑکی سے اس کی تربیت کرتی جاتی ہے۔

دوسرے جس طرح خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے سپر بن جاتا ہے ماں بھی اپنے بچوں کے لئے ایک ڈھال بن جاتی ہے جو ہر قسم کے ناگوار بیرونی اثرات سے بچاتی ہے، جس طرح مرغی اپنے پروں تلے اپنے بچوں کو لے کر سردی و گرمی سے پناہ دیتی ہے اسی طرح ماں بھی خود دکھ اٹھا کر اپنے بچوں کو سکھ پہنچاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے ماں سے بے حد پیار کرتے ہیں

کہتے ہیں کہ جب امام ابو حنیفہؒ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا اور انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تو، امام ابو حنیفہؒ کو خلیفہ کے حکم سے کوڑے مارے گئے اور جیل میں ڈال دیا گیا ان کا ایک شاگرد جب جیل میں ان سے ملنے آیا تو آپ کو اس وقت روتے ہوئے دیکھ کر شاگرد نے کہا کہ امام صاحب اگر آپ نے کوڑے کھا کر اور جیل میں رہ کر اس طرح بچوں کی طرح رونا ہی تھا تو عہدہ ہی قبول کر لیتے، آپ نے فرمایا۔ میں اس لئے نہیں رو رہا کہ مجھے مار کر جیل میں کیوں ڈالا گیا ہے بلکہ اس لئے رو رہا ہوں

کہ جب میری والدہ مجھے اس حالت میں دیکھے گی کہ میرے چہرے پر کوڑوں کے نشان ہیں تو اسے کتنی تکلیف ہو گی مجھے تو دراصل اس کی تکلیف کے احساس سے رونا آ رہا ہے۔ یہ واقعہ امام صاحب کے جذبات اور احساسات کا آئینہ دار ہے جس میں ایک زریں سبق ہے ان لوگوں کے لئے جن کی مائیں زندہ ہیں اور وہ ان کی قدر نہیں کرتے۔ دیکھئے آپ نے کس طرح اپنی والدہ کے حق کو پہچانا اور اس کی بے پناہ محبت کا جواب لازوال محبت سے دیا۔

یہ واقعہ تو کئی سو سال قبل کا ہے۔ کوئی مجھ سے بھی پوچھے کہ ماں کی قدر کیا ہے۔ اور اس کی محبّت کی قدر و قیمت کے سامنے دنیا بھر کے خزانے کیسے ہیچ ہیں لیست ہیں۔ مجھے رشک ہے ان بیٹوں پہ جن کی مائیں زندہ ہیں۔ میں تو ان سے یہی کہوں گا کہ ان کی زندگی سے فائدہ اٹھائیں۔ ان کی قدر کریں۔ ان کی عزت اور احترام کریں ان کا ہر طرح خیال رکھیں۔ وہ دنیا کی ہر چیز حاصل کر سکتے ہیں مگر جب ماں کا شفقت والا ہاتھ سر سے اٹھ جائے گا تو اس دنیا میں ایسی محبّت کرنے والی ہستی کوئی اور مل سکے گی۔

ملک کے بہت بڑے شاعر احسان دانش نے اپنی والدہ کی وفات پر چند اشعار منظوم کئے تھے جن سے واضح ہوتا ہے مائیں کس قدر قابل قدر ہستیاں ہیں چونکہ یہ میرے جذبات کی بھی چند جھلکیاں ہیں اس لئے ذیل میں درج کر رہا ہوں۔

ہاں یہی وہ دشت پارہ ہے یہی ہے وہ مزار
جس میں دفنائی گئی ہے میری ہستی کی بہار
چل رہا ہوں دل میں ارمانِ قضاء کو پالتا
گرم ذرّوں کی کھلی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا
پاؤں ننگے سر برہنہ خشک لب سوکھی زبان
والدہ کے مرقدِ اقدس کی جانب ہوں رواں
اس زمیں پہ پاؤں رکھنا بے شعوری ہے ضرور
کیا کرے لیکن جسے حاصل نہ ہو کشف القبور
شورشوں سے بھاگ کر میں کس قدر دُور آ گیا
اب خموشی کے سوا، کوئی نہیں آتی صدا
شہر کی دُوری سے جتنا ہو رہا ہوں ہمکنار
پاس آتا جا رہا ہے میری دُنیا کا مزار
آہ! ان ویرانیوں میں میری جنت دفن ہے
میری عظمت دفن ہے میری محبّت دفن ہے
ٹوٹا ہے مجھ ناتواں پہ آسماں اس راہ میں
لُٹ گئی میری متاعِ دو جہاں اس راہ میں
ہے اس مٹی میں میری شادمانی محوِ خواب
میری قسمت کا یہیں ڈوبا ہے آ کر آفتاب
کیوں نہ کھو جاؤں امیرِ کارواں گُم ہو گیا

کیوں نہ گم ہوں حاصلِ کون و مکاں گم ہو گیا
ہے سرِ تربت ترا احسان کب سے اشکبار
اب تجھے ان آنسوؤں پہ کیوں نہیں آتا ہے پیار
تیرا نورِ چشم پامالِ جہاں ہے آج کل
اس کے گرد و پیش انبوہِ زیاں ہے آج کل
ذرّہ ذرّہ اس فضا کا درپئے آزار ہے
اب ترے لختِ جگر کو زندگی دشوار ہے
پھر بھی اے روحِ مقدس ساکنِ خلدِ بریں
صبر کرنا چاہتا تو ہوں مگر ہوتا نہیں
دل اب زندانِ یاس و غم کا قیدی ہو گیا
دودھ تیرا میرے بالوں کی سفیدی ہو گیا
عشرتوں سے تیری دُوری کھینچ لائی ہے مجھے
جانے اس جنگل میں کیونکر نیند آئی ہے مجھے
جاگتے سنسار جنسِ بے بہا جاتی رہی
رتبہ جس ہستی کا تھا بعد از خدا جاتی رہی
قافلے میں دن دہاڑے اک مسافر لُٹ گیا
لُٹ گیا پردیس میں مزدور شاعر لُٹ گیا
جس کا سایہ تھا مرے گھر بھر پہ ظلِّ ذوالمنن
سو رہی ہے آہ! اس مٹی میں وہ اوڑھے کفن

ضبط و جرأت کے سفینے غرق ہو کر رہ گئے
آنسوؤں سے کٹ کے اُمیدوں کے ساحل بہہ گئے
پہلے میرا یہ عقیدہ تھا کہ رونا ہے فضول
اب یہ سمجھا ہوں کہ سمجھا یا غلط ہے وہ اصول
دل کا خوں انسان کو آنکھوں سے بہانا چاہئے
روتے روتے آنسوؤں میں ڈوب جانا چاہئے

خدا تعالےٰ نے مردوں میں یہ صفت رکھی ہے کہ وہ صدمات اور تکالیف کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور عورتوں کی طرح ٹسوے نہ بہائیں۔ جو مرد کسی محفل میں رنج اور دُکھ کے باعث رو پڑتا ہے۔ در اصل وہ مردانگی کی ہتک کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر انسان نے رو کر ہی اپنے دُکھ کا مداوا کرنا ہے تو خدا تعالےٰ کے دربار میں حاضر ہو کر گڑگڑائے اور رو رو کر اُس کے فضل کو حاصل کرے۔ مگر بعض ہستیوں کی جُدائی سے واقعی رونے پہ انسان کو اپنے اشکوں پر بھی اختیار نہیں رہتا اور اس کی کیفیت بقول احسان دانش ؎

دِل کا خوں انسان کو آنکھوں سے بہانا چاہئے
روتے روتے آنسوؤں میں ڈوب جانا چاہئے

کے مصداق ہو جاتی ہے بعینہٖ یہی حالت میری حضرت امّی کی وفات پر ہوئی کیونکہ اوّل تو میرا ہمیشہ ساتھ رہنے کی وجہ سے قریب کا تعلق تھا اور دوسرے ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس کی حاضری اور

غیر حاضری میں اس کی مدافعت کرنے والی کوئی پشت پناہ طاقت ضرور ہو۔ ایسی طاقت، ایسا وجود، ایسا دوست ہو جو مفلسی کا بھی ساتھی ہو سُکھ سے زیادہ دُکھ کا ساتھی ہو۔ جو ماحول کے ورغلانے سے ساتھ چھوڑ دے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا ایسا دوست صرف آپ ہی (یعنی امّی) کا وجود تھا۔

عجیب بات ہے کہ آپ کی وفات سے قبل میں موت کو ایک انتہائی بھیانک شے سمجھتا تھا۔ مگر وفات کے بعد موت کی حقیقت کچھ اس طرح واضح ہوئی کہ اب مجھے موت "زندگی کا دوسرا نام محسوس ہونے لگی ہے آپ بظاہر مجھے نظر نہیں آتیں مگر میرے لئے آج بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ آپ کی زندگی میں تو یہ خیال تھا کہ اگر آپ فوت ہو گئیں تو پھر شاید جی نہ سکوں مگر آپ کی وفات سے یوں لگتا ہے جیسے محض ایک پردہ سا ہی حائل ہے اور اس سے زیادہ موت کی کچھ حقیقت نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کی وفات کے بعد میری حالت حضرت حسّان بن ثابت کے اُس شعر کی مانند ہو گئی ہے۔

"تو میری آنکھ کی پُتلی تھی تیرے بعد میری آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں اور دیکھو اب میں تیرے متعلق ڈرا کرتا تھا اب تیرے بعد جو مرضی فنا ہو مجھے کسی کا خوف نہیں رہا . . . . . ."

اور ہوں بھی کیوں نہ فخر ؏

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
پھر ایسا درد دل جو فقید المثال ہے۔

اقبال ایک جگہ اپنی والدہ کی وفات پر لکھتے ہیں ؎

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دُعائے نیم شب میں کس کو مَیں یاد آؤں گا

بعینہٖ یہی کیفیت میری اور امی جان کے باہمی تعلق کی تھی۔ آئندہ درج کئے جانے والا اُن کی محبت وشفقت کا ایک مکتوب اس پر پوری روشنی ڈالے گا جس میں مجھ سے محبت بھی ہے اپنے شوہر سے وفاداری اور فرض شناسی بھی۔ آگے جاکر اقبال لکھتا ہے

عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
مَیں تری خدمت کے قابل جب ہوا! تُو چلی گئی
تجھ کو مثلِ طفلکِ بے دست وپا روتا ہے وہ
صبر سے ناآشنا صبح ومسا روتا ہے وہ

اقبال کو یہ دُکھ تھا کہ جب وہ اس قابل ہوا کہ اپنی والدہ کی خدمت کرسکے تو وہ چلی گئی۔ میری حسرت تھی کہ مَیں ابھی بے سہارا تھا اور روز وشب اسی فکر میں تھا کہ کب اس قابل ہوں کہ آپ کی خدمت کرکے ایک زندہ جاوید مثال چھوڑ جاؤں کہ ماؤں کی خدمت کیسے کیا کرتے ہیں مگر مجھ میں یہ صلاحیت

یا قابلیت اُبھرنے سے قبل ہی وہ محبوب ہستی مجھے داغِ مفارقت دے گئی۔ اور اب مَیں از سرتاپا اس عربی شعر کے مصداق ہوں۔

ولو عصفت ریاح الھم عصفاً | ولو قصفت رعودُ الموت قصفاً
ففی اُذنی عند النزع صوتٌ | یحول لی عن یف الجن عزفاً
یُطربنی وذلک صوت امی
ولو ملئت لی الحاسات صبراً | ولو جرعت کاس العیش مراً
ففی شفتی ینبوع عجیب | یحول لی کوسن الحل خمراً
فیسکرنی وذلک ذکر امی | ولو ھجمت علی قلبی البلایا
ولو ھدمت سوراً مالی الرزایا | فان یبباب فردوسی ملاکا
یسل السیف فی وجہ المنایا
فیحرسنی وذلک طیف امی

اے میری امّی! ان الفاظ کے ساتھ اپنی تحریر کو ختم کرتا ہوں کہ تُو تو مجھے تنہا چھوڑ کر چلی گئی۔ مَیں تیری سریلی محبت بھری آواز سے محروم ہوگیا۔ اب میرے پاس صرف تیری یاد ہی یاد رہ گئی ہے۔ میں اب رات کی تاریکیوں اور خاموشیوں میں تیری یاد سے دل بہلاتا ہوں —— جب بھی اُداس ہوتا ہوں اور گھبرا کر تجھے تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں میرے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ مگر تیرا تصوّر مجھے تھام تھام لیتا ہے۔ تیرا محبت بھرا تخیل مجھے تسلیاں دیتا ہے کہ گھبراؤ مت تم نے دُنیا میں ثابت کرنا ہے کہ کس کی گود میں پلے ہو اور کس کے لال ہو۔ وہ کہ جس نے مصیبتوں اور تکلیفوں میں کبھی اُف

تنگ نہ کی بلکہ کتنے سکون اور تحمل سے دُنیا کی آلائشوں اور خارزار جھاڑیوں سے دامن چھڑاتی رہی۔ اور آخر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملی۔

اے میری امی جان! انشاء اللہ العزیز میں آپ کا حقیقی بیٹا بننے کی کوشش کروں گا۔ میں تیرا صحیح عکس بنوں گا۔ تیری سب خواہشات کو انشاء اللہ تعالےٰ پورا کروں گا۔ میں تیرے دکھوں کو بھی جانتا ہوں اور تیری خواہشات کا بھی مجھے احترام ہے۔ یہ میرا تجھ سے عہد ہے کہ تجھ کو جس قدر محبت اسلام اور قرآن سے تھی۔ اور جس محبت سے تُو نے مجھے قرآن پڑھایا تھا۔ اب خدا نے چاہا تو تیرے پڑھائے ہوئے قرآن کی تعلیم کو اپنی عملی زندگی میں جگہ دے کر اُس کا دُنیا میں پرچار کروں گا تاکہ تیری روح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے خوش رہے جیسے کہ اس دُنیا میں تُو مجھ سے خوش رہی۔ ہاں اگر کبھی تیری خدمت میں کوتاہی ہو گئی ہو تو تیرا بیٹا انتہائی عجز و انکساری سے اس کے لئے تجھ سے معافی چاہتا ہے۔ میری ماں! میری یہ ہی خواہش ہے کہ جس طرح اکیس سال میں نے تیری خدمت میں گذارے اگلے جہان میں بھی خدا تعالیٰ میری کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مجھے خدمتِ اسلام کی توفیق دیتے ہوئے اُس کے عوض مجھے تیرے پاس ہمیشہ رکھے۔ ثم آمین۔

خاندانی حالات

قبل اس کے کہ میں آپ کی سوانح حیات کا آغاز کروں۔ مختصراً خاندانی حالات کا تذکرہ بھی مناسب سمجھتا ہوں۔

والد کی طرف سے آپ کا شجرہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا تھا اس لئے یہ خاندان قریشی کہلاتا تھا۔ آپ کے دادا خلیفہ حمید الدین اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم اور بڑے متقی و پرہیزگار اور شاہی مسجد کے امام تھے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے کچھ عرصہ تک آپ سے بھی کسب فیض علم کیا ہے۔ آپ نے انجمن حمایت اسلام اور اسلامیہ سکول کی بنیاد ڈالی بعد میں اسی انجمن (حمایت اسلام) کے زیر نگرانی کئی تعلیمی ادارے قائم ہو گئے۔ خلیفہ حمید الدین کو اسلام اور قرآن سے بے انتہا محبت تھی لہٰذا آپ نے اپنے تمام لڑکوں کو قرآن شریف حفظ کرایا مگر سب سے چھوٹے لڑکے سعید الدین پوری طرح حفظ نہ کر سکے۔ کیونکہ انہوں نے حافظہ اچھا نہ پایا تھا۔ اس کمی کو پوری کرنے کے لئے انھوں نے اپنی لڑکی شاہ بیگم کو قرآن شریف حفظ کرایا۔ شاہ بیگم یعنی میری امّی جان کی پھوپھی بے حد ذہین تھیں۔ اور اُن کے والد انہیں حافظہ بیگم کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

امّی جان کی روایت کے مطابق خلیفہ حمید الدین کہا کرتے تھے کہ میرے پاس جن بھی قرآن شریف پڑھنے آتے ہیں۔

ان کی زندگی میں ایک دفعہ سکھوں نے (یہ واقعہ سکھا شاہی کے وقت کا ہے) شور مچایا کہ مسجد میں اذان ہرگز نہیں ہوگی۔ آپ نے کہا بہت اچھا اذان تو ہم اس لئے دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے ہم اذان نہیں دلوائیں گے اگر تم تمام مسلمانوں کے پاس جا کر انہیں بتا دیا کرو کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ سکھوں نے آپ کی بات مان لی مگر چند روز کے بعد آئے کہ ہم سے یہ نہیں ہوتا آپ اذان ہی دے لیا کریں۔

گویا خلیفہ حمید الدین عالم فاضل متقی اور اسلام کی شدید تڑپ رکھنے والے بزرگ تھے۔ آپ کی اولاد میں خلیفہ رشید الدین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت طالب علمی کی عمر ہی میں کی اور پروانے کی مانند احمدیت کی شمع پر اپنا تن من دھن قربان کر کے اس دُنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔

خلیفہ رشید الدین صاحب کی پہلی بیوی سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں سب سے بڑی سیّدہ ام ناصر تھیں۔ آپ کے بعد خلیفہ علیم الدین پھر حمیدہ بیگم (بیگم خان بہادر اسد اللہ خان صاحب) اور پھر سب سے چھوٹے کرنل تقی الدین صاحب تھے۔

میری امی جان کے نانا کا نام حافظ چراغ الدین تھا۔ آپ بہت بڑے تاجر اور مالدار آدمی تھے۔ دنیوی دولت کے ساتھ ساتھ اسلام کی دولت سے بھی مالا مال تھے آپ بھی بہت بڑے بزرگ اور نورِ قرآن سے فیضیاب تھے۔ میری امی جان کا بچپن کا بیشتر زمانہ اپنی نانی ماں کے پاس ہی گذرا تھا

اور اسی لئے انہیں اپنی نانی سے بے حد اُنس اور محبت تھی۔ نانی جان بھی اپنے اس جگر گوشے کو ہمیشہ سینے سے لگائے لگائے پھرتی رہتی تھیں۔ چنانچہ بے حد ناز و نعم میں پرورش کی مگر وہ لڑکی جو پھولوں کی سیج پر سوتی رہی۔ محبت کے گہوارہ میں پلی اور غم و الم کے نام تک سے نا آشنا تھی۔ جب مسیح وقت کے قدموں میں پہنچی۔ چرنوں کو چھونے قادیان پہنچی اور ان کے موعود بیٹے سے وابستہ کر دی گئی تو ساری عمر ایثار قربانی اور احمدیت کے دامن ہی میں گذار دی۔ وہ بچی جس کو زندگی کے ابتدائی ایام میں کبھی کسی نے جھڑکا تک نہ تھا، جسے کبھی کسی نے سختی سے انگلی نہ لگائی تھی اُس نے جب اپنی زندگی (اس نئے ماحول میں) شروع کی تو مجسم قربانی بن کر رہ گئی۔ مگر اپنی قربانیوں کا کبھی (اشارتاً یا کنایتاً) بھی اظہار نہ کیا۔

بہرحال یہ تھے بعض مختصر سے خاندانی حالات جن کا میں نے اس لئے مختصراً ذکر کر دیا ہے کہ قارئین آپ کی سوانح حیات پڑھتے ہوئے تاریکی میں نہ رہیں کہ خدا نے آپ کو اپنے فضل سے کس خاندان سے چُنا اور کس طرح اپنے ایک فرستادہ کی گود میں ڈال دیا اور اس خدائی فرستادہ نے اپنی دلی خواہش سے اپنے بیٹے کے ساتھ اس کی زندگی بھر کا سودا کر لیا۔ اور جو مرتے وقت بھی اپنے عزیز ترین اور محبوب ترین شوہر کی راہ آنکھیں بچھائے رہی۔

زمانہ بچپن

میں نے گذشتہ صفحات میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ سیدہ ام ناصر نے بچپن کا عرصہ زیادہ تر اپنی نانی کے پاس گذارا۔ اور جب آپ کی عمر ابھی نو دس برس ہی کی ہوگی کہ آپ اپنے والد خلیفہ رشید الدین کے ساتھ قادیان تشریف لائیں۔ غالباً یہ واقعہ ۱۹۰۰ء کا ہے۔ گویا یہ آپ کی مسیح وقت کے حضور میں پہلی حاضری تھی۔

آپ اکثر کہا کرتی تھیں کہ جب میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہلی بار دیکھا میری عمر اس وقت آٹھ نو سال کی ہوگی۔ مگر مجھے پہلی نظر میں ہی اُن سے اس قدر محبت ہو گئی کہ دل نے چاہا کہ میں آپ کے پاس ہی ٹھہر جاؤں اور واپس نہ جاؤں۔

قادیان میں جس روز آپ پہلی بار آئیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گول کمرہ میں آپ کی رہائش کا انتظام کروایا مگر حضرت اماں جان نے میری نانی یعنی آپ کی والدہ اور بچوں کو اپنے پاس زنان خانہ میں بلوا لیا اور اس طرح آپ کا پہلا قیام قادیان میں تقریباً پانچ چھ روز رہا۔ آپ سُنایا کرتی تھیں کہ جب میں اپنی والدہ کے ساتھ زنان خانہ میں آئی تو میں اجنبی تھی۔ میرا ماحول اجنبی تھا۔

مگر حضرت اماں جان کی محبت و پیار نے ہمیں کسی چیز کی تکلیف نہ

ہونے دی۔ خود حضرت صاحب جب آتے اور پوچھتے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ اسی باعث آپ جلد ہی دوسرے بچوں میں گھُل مل گئیں۔ اور ہم سب آپس میں مل کر کھیلنے کودنے لگ گئے

یہ قیام چونکہ بہت مختصر تھا۔ اس لئے میرے نانا خلیفہ رشید الدین صاحب واپس چلے گئے۔ جاتے ہوئے حضرت صاحب نے رشتہ مانگا۔ آپ کے لئے اس سے بڑا کیا اعزاز ہو سکتا تھا۔ کہ ان کی بیٹی مجددِ اعظم کے خاندان میں جا رہی تھی۔ بہرحال آپ نے اشارتاً پسندیدگی کا اظہار کیا۔ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ خط درج کر رہا ہوں جو آپ نے رشتہ کے متعلق لکھا تھا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجبی اخویم ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

واضح ہو کہ برخوردار محمود احمد کے رشتہ کی نسبت آپ کی خدمت میں لکھا گیا تھا کہ آپ کی بڑی لڑکی کی نسبت جو رشیدہ ہے میرا خیال ہے۔ اب اس رشتہ پر محمود راضی معلوم ہوتا ہے گو ابھی تک الہامی طور پہ اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے جس کے معلوم ہونے کے بارے میں مجھے خواہش ہے تاکہ کوئی کام ہمارا الٰہی منشاء کے خلاف نہ ہو۔ مگر محمود کی رضامندی ایک دلیل اس بات پہ ہے کہ یہ امر جناب الٰہی کی رضامندی کے موافق انشاء اللہ ہوگا۔ لہٰذا آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ کی یہ مرضی ہو اور اس

ہی کوئی مخالفت نہ ہوجائے جس کے مقابل میں سب ارادے کالعدم
ہوجاتے ہیں تو اس صورت میں اور اس شرط سے آپ تیار اور مستعد
ہیں کہ جب آپ کو مسنون طور پر نکاح کے لئے لکھا جائے تو
آپ کو اس میں کوئی تامّل اور تاخیر نہ ہو اور آپ خود بھی اس کام
کے لئے چند ہفتہ تک استخارہ کرلیں کہ ہر ایک کام جو استخارہ
اور خدا تعالیٰ کی مرضی سے کیا جاتا ہے وہ بجائیکہ مبارک ہوتا ہے
دوسرے میرا ارادہ ہے کہ اس نکاح میں انبیاء کی سُنت کی طرح
سب کام ہو۔ کوئی بدعت یا بیہودہ مصارف و رسوم اس
نکاح میں نہ ہوں۔ بلکہ ایسے سادے طریق پر جو خدا کے مبارک
بندوں نے پسند فرمایا ہے۔ نکاح ہوجائے تاکہ موجب برکات
ہو۔ باقی ہر طرح خیریت ہے۔ اُمید ہے آپ عید کے دن تک
قادیان آئیں گے بشرط رخصت۔ باقی خیریت ہے۔

مرزا غلام احمد، ۱۰ مارچ ۱۹۰۱ء

بلکہ آپ کی شادی کے موقعہ پر حضور علیہ السلام کا الہام ترٰی نسلاً
بعید نسلاً بار بار شائع کیا گیا۔

جب خلیفہ رشید الدین صاحب واپس گئے۔ تو آپ نے اس رشتے
کا اظہار اپنے خاندان کے دیگر افراد سے بھی کیا۔ چونکہ باقی خاندان غیر احمدی
تھا بلکہ بعض شدید مخالف بھی تھے۔ اس لئے سب نے اس پر اعتراض
کیا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ میرے ننھیال میں کئی نسلوں سے گدی نشینی

چلی آرہی تھی اور وہ اپنے وقت کے بڑے رؤسا میں شمار ہوتے تھے
ان کی جہاں دنیوی لحاظ سے بے حد شہرت اور عزت تھی وہاں دینی لحاظ
سے بھی سکّہ چلتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید حضرت صاحب نے بھی
کسی نئی گدی کی بنیاد ڈالی ہے۔ اس لئے اس نئے پیر کو اپنے گھر کی بیٹی
دینا ہتک سمجھتے تھے۔ تیسرے میری امی جان کی پھوپھی چاہتی تھیں کہ
ان کا رشتہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔ اس لئے انہوں نے بے حد زور
لگایا مگر خدا کی منشاء یہی تھی کہ امام الزمان کی خواہش پوری ہو اور
یہ معصوم لڑکی تاریخ احمدیت میں کسی نئے باب کا اضافہ کرے کیونکہ
خلافت کو نابود کرنے کے لئے پہلا جھونکا حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ
عنہ کے زمانہ میں چلا۔ اور باد مخالف کو روکنے کے لئے اس وقت ایک
ایسے آرگن کی ضرورت تھی جو دشمنانِ خلافت کا دندان شکن جواب دے
سکتا۔ اس وقت اس باایثار اور مسیح موعود کی تربیت یافتہ نوعمر
دوشیزہ نے اپنی اک نئی نویلی شادی شدہ دلہن کی سب سے بڑی خواہش کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے
سونے کے زیور اور کنگن شوہر کے قدموں میں ڈال دیئے تاکہ اس
سے مسیح وقت کے خون سے سینچے ہوئے پودے کی حفاظت کی جاسکے
پھر خدا نے اس آرگن کو اس قدر قوت و طاقت دی کہ اب تک
۴۵، ۴۶ سال سے دشمنانِ اسلام کا منہ توڑ جواب دیتا چلا آرہا ہے۔
اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر
کہ اک سے ہزار ہووئیں مولا کے بار ہووئیں

کا ایک حصہ آپ کے ذریعہ سے بھی پورا ہوا۔ کیونکہ خلیفۃ المسیح کے پوتے نواسے وغیرہ حرم اوّل سے ماشاءاللہ اتنے زیادہ ہیں۔ کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ۱۷، حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے ۲۰۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے ۱۹، اور پھوپھی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے ۱۷ ملا کر بھی صرف سیدہ ام ناصر کی اولاد سے کم ہیں گویا کہ اس طرح آپ مسیح موعود کی ایک دعا کے پورا کرنے کی بھی مصداق ہیں۔ میں بیان کر رہا تھا کہ چونکہ خدا تعالیٰ اپنی خاص حکمت کی وجہ سے آپ کی شادی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر میں کرنا چاہتا تھا اس لئے باوجود مخالفت کے آپ اسی گھر میں تشریف لائیں۔

شادی

جیسا کہ قارئین کرام کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ۱۹۰۰ء میں حضرت صاحب نے رشتہ کی خواہش کا اظہار فرمایا تھا۔ بعد میں خلیفہ رشید الدین صاحب نے باقاعدہ طور پر قبول کر لیا۔ اور ۲۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں آپ کا نکاح بمقام رڑکی ہوا۔

اور اس تقریب میں خلیفہ اول رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اگلے سال یعنی اکتوبر ۱۹۰۳ء میں بمقام آگرہ آپ کا رخصتانہ ہوا۔ "ہماری بھاوجہ صاحبہ کا انتقال"۔ .... فرمودہ حضرت مرزا

بشیر احمد صاحب) الفضل۔ ۷ اگست ۱۹۵۸ء

شادی کے وقت آپ کی عمر ۱۱ و ۱۲ سال کی ہو گی۔ آپ اپنی شادی کے بعد کے واقعات کا ذکر سناتے ہوئے فرمایا کرتی تھیں کہ جب میں بیاہ کر قادیان آئی اس وقت میری عمر ہی کیا تھی بچپنا تھا اور پھر اپنے گھر کو چھوڑنے کا صدمہ بھی۔ جس گھر میں میں نے اپنی زندگی کی گیارہ بہاریں دیکھی تھیں اگر کوئی کشش تھی یہاں تو صرف حضرت صاحب کا پُر نور اور مسکراتا ہوا چہرہ تھا۔ میں نے قادیان پہنچ کر گھر میں قدم رکھا۔ سفر کی تکان اپنے بہن بھائیوں والدین اور بچپن کے ساتھیوں کے چھوڑنے کا صدمہ، میں گٹھڑی بنی ہوئی زار و قطار رو رہی تھی۔ ہر وہ نیا آنسو جو میری آنکھوں میں آتا۔ حضرت صاحب کا پُر کشش چہرہ اُس میں جھلکنے لگتا اور یہ ہی وجۂ تسلی بن جاتا۔ اتنے میں حقیقت میں، وہ ایک شخص جو دروازہ میں کھڑا میرا منتظر تھا قریب آیا اور محبت سے میری پیشانی کو چوم لیا۔ کہنے لگیں۔ کہ میرے آنسو تھم گئے میں مؤدب بن کر آپ کے سامنے کھڑی ہو گئی یہ تھے محسن وقت سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ آپ کہتیں تھیں کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں دوبارہ اپنے گھر آ گئی ہوں۔ اجنبیت ختم ہونے لگی۔ تکان غائب ہو گئی میں اس عظیم ہستی کی بہو بن کر قادیان میں داخل ہو چکی تھی۔

میں خوش تھی اور مسرور تھی۔ گو عزیز و اقارب کو چھوڑا مگر ایک ایسے شخص کے سایۂ عاطفت میں آ گئی کہ جس کے احسانات کا شمار نہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محبت

سیدہ ام ناصر کا پہلی بار قادیان آنا اور پہلی نظر میں ہی ایسے شخص کی محبت کا گرویدہ ہو جانا جو بنی نوع انسان کے لئے اپنے سینے میں بے پناہ محبت لئے ہوئے تھا، جہاں آپ کی فراست اور خداداد قابلیت کا مظہر ہے وہاں اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ خدا تعالےٰ نے نو عمری میں ہی آپ کے دل میں احمدیت اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کس قدر عشق پیدا کر دیا تھا۔

آپ سنایا کرتی تھیں کہ شادی کے بعد میرا ہر وقت یہی دل چاہتا کہ آپ کے پاس رہوں اور ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ ہوں۔ آپ فرماتی ہیں اکثر آپ کے پاس بیٹھی رہتی اور کبھی پنڈلیاں دباتی تو کبھی پاؤں اور کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میرے سامنے ہی آپ پر الہامی کیفیت طاری ہوئی اس وقت حضرت صاحب کا سارا جسم کانپنے لگتا اور پیشانی پر پسینے کے چند قطرے نمودار ہو جاتے کچھ عرصہ کے بعد یہ حالت جاتی رہتی اور آپ اٹھ کر تازہ الہام لکھ لیتے۔ حضرت صاحب کی ایک قلم جس سے وہ اکثر تصنیف کا کام کیا کرتے تھے وہ آپ کے پاس موجود تھی۔

سیدہ ام ناصر کا پہلا بچہ نصیر احمد تھا جو حضرت صاحب کی زندگی میں ہی پیدا ہوا اور حضور نے اس کا نام نصیر احمد رکھا اپنی ایک قمیص اور پگڑی دی کہ اس کے کپڑے بنواؤ۔ نصیر احمد تو زندہ نہ رہ سکے مگر بادشاہوں نے جن کپڑوں سے برکت ڈھونڈنی ہے وہ تبرک

براہ راست آپ سے آپ کی اولاد میں منتقل ہو گیا۔

مجھے (باوجود بچپن کے) یاد ہے کہ جب ہم قادیان سے آئے تھے لوگوں کے ذہنوں میں یہی خیال جاگزیں تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کے بعد واپس آ جائیں گے۔ اس صورت میں لوگ، عام طور پر اپنے پہننے کے کپڑے رکھتے ہیں مگر آپ نے سب کچھ چھوڑ حضرت صاحب کے تبرکات اپنے سینے سے لگائے اور لاہور پہنچ گئیں۔ ایک چیز کا وہ بار بار بڑی حسرت سے ذکر کیا کرتی تھیں کہ مجھے حضرت صاحب نے بہت روپے خرچ کے لئے دئے، افسوس کہ میں نے انہیں سنبھال کر نہ رکھا اور خرچ کر دیئے۔ کاش! میرے پاس ہوتے تو میں نسل در نسل اس لافانی دولت سے بھی فائدہ اٹھاتی۔ آپ کے پاس حضور کا ایک چمچہ تھا جس سے حضور دوائی وغیرہ پیا کرتے تھے۔ آپ فرماتیں کہ مجھے دیر سے اس بات کا خیال تھا کہ اگر میرا کوئی بیٹا ڈاکٹر بنا تو اسے دے دوں گی۔ خدا نے آپ کی یہ خواہش بھی پوری کر دی اور آپ کے لڑکے مرزا منور احمد صاحب کو ڈاکٹر بنا دیا اور اس طرح حضرت کا یہ تبرک آپ نے ان کو دے دیا۔ جیسا کہ میں نے حضرت صاحب کی قلم کے متعلق لکھا ہے۔ آپ اکثر اوقات فرماتی تھیں کہ قلم کے متعلق بھی میں یہ ہی سوچا کرتی تھی کہ اپنے کسی مبلغ بیٹے کو دوں گی (غالباً اب وہ مرزا مبارک احمد صاحب کے پاس موجود ہے)۔ نصیر احمد حضرت صاحب کی زندگی میں پیدا ہوئے اور آپ کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ آپ فرماتیں کہ ان کے بعد کافی عرصہ تک میرے

کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ تب میں نے رویا میں دیکھا کہ حضرت صاحب تشریف لائے ہیں (حضرت صاحب کی وفات کے بعد) اور مجھے اشارہ سے قریب بلایا ہے اور اپنی جھولی سے مختلف قسم کے بہترین اور نہایت عمدہ پھل میری جھولی میں ڈال دیئے ہیں۔ آپ فرماتیں کہ مجھے اسی وقت خیال ہوا کہ خدا مجھے بے حد اولاد دے گا اور اسی طرح ہوا۔ میں لطیفے کے طور پہ دو باتیں لکھے دیتا ہوں۔ نصیر احمد کی وفات کے بعد جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے تقریباً نو سال تک کوئی بچہ نہ ہوا۔ تو آپ سنائیں تھیں کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی بیگم یعنی میری چچی جان جو تقریباً آپ کی ہم عمر ہی تھیں مجھے چھیڑا کرتی تھیں کہ میرے دو بچے ہو گئے اور تمہارا کوئی نہیں ہوا۔ اس کے بعد تو خدا نے اتنی اولاد دی کہ ایک دفعہ تقسیم ہند کے بعد جب کہ ہم لاہور آئے۔ رات کو سونے کے لئے چارپائی تک نہ تھی اور اکثر بچے نیچے سویا کرتے تھے یا ایک چارپائی پر دو دو۔ اُس وقت کی بات ہے میں نے کہا کہ اگر امی جان کے سارے بچے زندہ رہتے وہ بھی جو چھوٹی عمر میں وفات پا گئے تھے تو آج ہم ۱۸ ۱۹ ہوتے۔ میرے ساتھ امۃ السلام بیگم بنت حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا سب سے چھوٹا لڑکا کھڑا تھا وہ جھٹ سے بول اُٹھا "فیر ایناں چارپائیاں کتھوں آندیاں" (یعنی اتنی چارپائیاں کہاں سے آتیں)۔

بہرحال آپ کو حضرت صاحب سے والہانہ عقیدت اور محبت

تھی۔ آپ کی دعاؤں سے انہوں نے بھی وافر حصہ پایا۔ آپ کو آپ کی زندگی تک کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی۔ حضرت صاحب نے بھی چھوٹی سی چھوٹی بات کا خیال رکھا۔ ایک واقعہ آپ اکثر سنایا کرتیں کہ ایک رات کو میں حضرت صاحب کے پاؤں دباتے دباتے سو گئی اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ذرا دیر سے باہر سے تشریف لائے۔ کمرے میں آئے تو مجھے موجود نہ پایا سمجھ گئے حضرت صاحب کے پاس ہوں گی حضرت صاحب کے کمرہ کے پاس پہنچ کر آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا اور مجھے آواز دی مگر میں غافل پڑی سو رہی تھی۔ حضرت صاحب کی آنکھ کھل گئی اور آپ نے فرمایا کون۔ خلیفۃ المسیح فرمانے لگے میں محمود۔ اس پہ حضرت صاحب نے ذرا ناراضگی سے کہا کہ محمود تم اتنی دیر سے کیوں آئے۔ محمودہ کا خیال نہیں رہا اور فرمایا آئندہ سے دیر نہ ہو۔ اور مجھے اُٹھایا۔ پیار کیا اور فرمانے لگے جاؤ محمود بلا رہا ہے۔ یہ حضرت صاحب کی محبت اور صحبت کا اثر تھا کہ باقاعدہ تہجد گذار تھیں۔ دعاؤں میں از حد اثر تھا جس کا ذکر میں آئندہ صفحات میں کروں گا۔ خدا پہ بے حد توکل تھا۔ محدود آمد کے باوجود خدا نے آپ کو کبھی تنگی نہیں دکھائی اور جب کسی چیز کی خواہش ہوئی یوں لگا جیسے آسمان سے خدا نے بھجوا دی ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ سب کچھ احمدیت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محبت ہی کے طفیل تھا۔

احمدیت اور قرآن سے محبت

قرآن سے شغف تو کچھ وراثتی بھی تھا کیونکہ آپ کے والد دادا اور پردادا سب ہی قرآن کے حافظ تھے اور قرآن سے بے انتہا محبت رکھتے تھے۔ لیکن حضرت صاحب کی محبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اسی لئے آپ کو قرآن سے غیر معمولی اُنس تھا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ کی آنکھیں بعض اوقات بے حد دُکھی ہو جاتیں اور کئی کئی روز خراب رہتی تھیں مگر جب بھی ذرا افاقہ ہوتا قرآن پڑھنے بیٹھ جاتیں یا اگر خرابیٔ طبیعت کے باعث نہ پڑھ سکتیں تو بار بار فرماتیں آج اتنے روز ہو گئے میں نے قرآن نہیں پڑھا یا مجھے کہتیں کہ تم سُناؤ۔ اکثر ایسا ہوا کہ جب میں قرآن پڑھنے بیٹھتا۔ میری عادت ہے کہ میں اونچی آواز سے پڑھتا ہوں تو میری غلطیاں بھی درست کرتی جاتیں بلکہ بعض اوقات میرے غلط پڑھنے پر انہیں غصہ آجاتا اور برہم ہو کر فرماتیں تمہیں قرآن بھی پڑھنا نہیں آتا۔ میں چونکہ سب سے چھوٹا ہوں اس لئے کبھی کبھی یونہی چڑ کر کہہ دیتا "امی جان آپ تو یونہی غلطیاں نکالتی ہیں ٹھیک ہی تو پڑھ رہا ہوں۔ آپ فرماتیں نہیں میں تمہیں پڑھاؤں گی اور مجھے پڑھانے بٹھا لیتیں۔ میرے بڑے بھائی مرزا حفیظ احمد صاحب کی آواز آپ کو بے حد پسند تھی اس لئے فرماتیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اس سے قرآن

سنا کروں۔ آپ کی وفات کے بعد میں نے مرزا حفیظ احمد صاحب سے کہا کہ زندگی میں وہ آپ کی آواز کو پسند کرتی تھیں اب آپ اُن کی روح کو خوش کریں اور قرآن شریف سرہانے بیٹھ کر پڑھیں۔ اس طرح باری باری کبھی وہ اور کبھی میں مسلسل دو ڈھائی گھنٹہ قرآن پڑھتے رہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جو بھی تفسیر لکھی اور شائع ہوئی آپ نے ہمیشہ سب سے پہلے روپیہ جمع کر کے حاصل کر لی۔ تاکہ قرآن کے خزائن سمٹ کر آپ کے پاس آجائیں۔

احمدیت سے محبّت

سلسلہ احمدیہ سے بھی آپ کو جس قدر پیار تھا وہ ظاہر و باہر ہے جیسا کہ میں نے گزشتہ صفحات میں بھی لکھا ہے کہ ابتدا میں جب حضرت صاحب کی وفات کے بعد خلافت کا مسئلہ درپیش تھا اور تاریخ احمدیت پر بڑا کٹھن مرحلہ تھا اُس وقت آپ نے اپنے کنگن اُتار کر حضور کو دیدیئے اور کہا "اس حقیر چیز سے اگر اسلام کی ناؤ کی کوئی خدمت ہو سکتی ہے تو حاضر ہے"۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب آف موگا نے اپنی ایک تقریر میں کہا "آپ (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) ان کنگنوں کو فروخت کر کے اخبار جاری کریں۔ چنانچہ حضور نے ان کنگنوں کو فروخت کر کے اخبار الفضل جاری کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور بے شمار رحمتیں نازل ہوں سیدہ ام ناصر پر۔ الفضل کیا جاری کیا گویا چشمہ فضل و ہدایت جاری کر دیا جس کا ثواب ان کو صدقہ جاریہ کے رنگ میں ہمیشہ ملتا رہے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ

اس الفضل نے پہلے تو جماعت کی تنظیم تعلیم و تربیت میں مدد دی جس سے جماعت کی قوتِ عمل میں اضافہ ہوا۔ دوسرے الفضل کے علمی دینی روحانی مضامین کو پڑھ کر سینکڑوں ہزاروں آدمی ہدایت پانے لگے یہاں تک کہ بہت سے غیر مسلم الفضل پڑھ کر جس میں اسلام کی برکات اور فضائل کے مضامین ہوتے ہیں متاثر ہوئے اور اسلام میں داخل ہوئے اور ایسے لوگوں کی تعداد اب تو ہزاروں تک پہنچتی ہے کہ جنہوں نے الفضل کے ذریعہ سے ہدایت و صداقت کو قبول کیا۔

آج سے پونے چودہ سو سال قبل بھی ایک دفعہ سونے کے یہی کنگن ہزاروں افراد کی ہدایت کا موجب بنے تھے اور قیامت تک بنتے چلے جائیں گے۔ چودھویں صدی کے مجدد کے زمانہ میں بھی یہی کنگن پھر ایک بار گمراہوں کی رہبری کا موجب بنے۔ فرق صرف یہ ہوا کہ پہلی دفعہ حضرت سراقہ کے وجود میں ظاہر ہوئے۔ دوسری دفعہ حضرت ام ناصر کے ہاتھوں سے اسلام و احمدیت پر نچھاور ہوئے"۔

تقسیم ہند کے بعد مالی حالت انفرادی طور پر از حد ابتر تھی اور جماعت کو بھی مالی دھچکا لگا تھا۔ چندوں میں خاصی کمی آگئی تھی حضور نے اس پر چندوں کی بڑی زبردست تحریک کی۔ غالباً یہ واقعہ ۱۹۴۸ء کے آخر کا ہے یا ۱۹۴۹ء کے شروع کا۔ سیدہ ام ناصر نے اس وقت یہ عہد کیا کہ مجھے جو جیب خرچ ملتا ہے میں سارے کا سارا سلسلہ کو دے دوں گی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ نے اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک پھر

یہ عہد نبھایا اور تحریک جدید وصیت اور انجمن کے تمام دیگر چندوں میں باقاعدگی سے حصہ لیتی رہیں۔

مجھے یاد ہے کہ چھوٹا ہونے کے باعث میں ضد کیا کرتا کہ امی جان مجھے اتنے روپے چاہئیں۔ مجھے اتنے پیسے چاہئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب دوسرے بچوں کو خرچ کرتے دیکھتا تو فطری طور پر میرا دل بھی یہی چاہتا۔ مگر آپ فرمائیں رفیق میں اپنا جیب خرچ جو میری آمد ہے وہ تو خدا اور اس کے رسول کو دے دیتی ہوں پھر میرا رازق و قادر خدا اپنے فضل سے جو دیتا ہے اُسے اپنی بساط کے مطابق تم پر خرچ کرتی ہوں اب بتاؤ اور کہاں سے لاؤں اپنے نفس پر تو کبھی خرچ ہی نہیں کیا میرا خدا گواہ ہے ان الفاظ میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ میں نے پھر حتی الوسع بہت کم روپیہ طلب کیا مگر ایک ایسی تلخ حسرت رہی جو آپ کی زندگی میں پوری نہ کر سکا کہ کاش! میرے پاس اتنا روپیہ ہوتا کہ میں اپنی ماں کے قدموں میں ڈال دیتا۔ کئی سال سے جس خواب کی تعبیر میں لگا ہوا تھا اور جو قلعے تعمیر کر رہا تھا وہ ریت کے تودوں کی طرح گرے اور آنکھ جھپکتے میں پیوندِ زمین ہو گئے۔ جس بے نظیر ہستی نے آغاز بچپن سے اختتام زندگی تک اس خوبصورتی سے احمدیت و اسلام کی خدمت کی میں اُس کی صحیح معنوں میں کوئی خدمت نہ کر سکا۔ میں نے آپ کی بعض بیماریوں میں قدموں کو بھی چوما کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہ سکوں مگر ایک دھڑکا ہے کہ قرآن و حدیث نے ماں کی جس خدمت کا ذکر کیا ہے وہ مجھ سے

نہیں ہو سکی۔

آپ لجنہ اماء اللہ کی صدر بھی تھیں اور مفید مشوروں اور نصائح سے انکی رہنمائی کرتیں اور اپنی طاقت کے مطابق خدمت بھی کرتی تھیں۔ یہاں آپ کے دو خط نقل کر رہا ہوں جو آپ نے محترمہ امۃ القیوم اہلیہ مولوی محمد صدیق صاحب کو لکھے جو احمدیت سے محبت کی مخمور کن جھلکیوں سے مخمور ہیں:۔

" اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہارے بچوں کا حافظ و ناصر ہو وہاں کی جماعت کے لئے نیک نمونہ بنو۔ وہاں کی سب جماعت اور مولوی صاحب کو سلام علیکم کہنا۔ اور میرے لئے بھی دعا کرنا "۔

" تم دل لگا کر دین کی خدمت کرو وہاں لجنہ اماء اللہ قائم کرو اور ان کو اسلام اور احمدیت کی تعلیم دو۔ جب انسان کسی کام میں لگ جائے پھر اداس بھی نہیں ہوتا۔ آہستہ آہستہ ہر چیز موافق آجاتی ہے۔ نئی چیز سے انسان گھبراتا ہے جب ماحول بدل جائے پھر برداشت کرنا ہی ہوتا ہے گھبراؤ نہیں اور دعاؤں سے کام لو انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور بچوں کا بھی خیال رکھو اور ان کو اداس نہ ہونے دو جب وہ ہر وقت اسلام کی باتیں سنیں گے تو ان کا بھی دل لگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تم سب کا حافظ و ناصر ہو مولوی صاحب کو میرا سلام کہنا۔ خدا حافظ

ام مرزا ناصر احمد

محترمہ امۃ القیوم نے مجھے بعض حالات لکھ بھجوائے ہیں۔ خدا تعالیٰ

اُن کی مشکلات آسان کرے۔ اُن کو ان سے بے حد محبت تھی۔ وہ آگے چل کر لکھتی ہیں:۔

" یہ ہیں وہ سنہری حروف جو آپ کے دل کی اصلی حالت کو آشکار کرتے ہیں کہ اس دل میں کیا کچھ تھا احمدی عورتوں کی تربیت اور اسلام کے لئے کیا جذبات تھے سبحان اللہ کیسے خاموش اور پر اثر نصائح ہیں دکھیاواری کا ایک فقرہ بھی نہیں تمام الفاظ دین کے نور سے پُر ہیں "۔

آپ اکثر فرماتیں میرا دل چاہتا ہے کہ میرے تمام بیٹے مبلغ بن کر مختلف ممالک میں نکل جائیں اور اسلام کی خدمت کریں۔

وفات سے قبل ڈاکٹر فیض علی صاحب کے لڑکے حمید احمد صاحب کے رخصتانہ پر گئیں وہاں ان کے سب سے چھوٹے صاحبزادے رشید احمد صاحب نے کہا تھا کہ کچھ پیغام ٹیپ ریکارڈر میں بھر دیں اس درخواست پر آپ نے ایک پیغام کی صورت میں فرمایا۔

" خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے الیس اللہ بکاف عبدہ۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان مشکلات مصائب اور تکالیف میں گھبرا کر کسی سہارے کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے تم کیوں انسانی سہاروں کو اطمینان نفس اور سکون قلب کے لئے ڈھونڈتے ہو جبکہ میں موجود ہوں میں تمہاری ہر قسم کی مدد کر سکتا ہوں اور میں تمہاری مشکلات کو دور کر سکتا

ہوں۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کشا کے سامنے

پس انسان گناہوں کا پتلا ہے اُس کے مقابلہ پہ خدا بڑا ہی غفار اور ستار ہے اُسے چاہیئے اپنی کوتاہیوں غلطیوں اور گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے خدا کی چوکھٹ پر جُھکے اور اس کی مدد چاہے۔ خدا اُس کا سہارا ہو جائے گا اور اس کی ناؤ طوفانی تھپیڑوں سے بچتی ہوئی ساحل مراد پر جا لگے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کے ساتھ ہو۔"

بہرحال آپ کو اسلام سے بے انتہا محبت تھی اور آپ ہر وقت صرف خدا ہی کا سہارا ڈھونڈتی تھیں اور اسی پہ توکل کرتی تھیں اور احمدیت و اسلام کے لئے ہمیشہ بڑی سے بڑی قربانی کے لئے ہر وقت تیار رہتی تھیں۔

دُعاؤں میں اثر

سیدہ ام ناصر احمد صاحب کی دعاؤں میں بھی میں نے غیر معمولی اثر دیکھا ہے۔ بسا اوقات حیرت ہوتی تھی۔ میں نے اتنا جلد دعاؤں میں اثر بہت کم لوگوں میں دیکھا ہے۔ ایک دفعہ آپ کی ایک داڑھ میں شدید درد تھا آرام نہیں آرہا تھا آپ نے دوائی چھوڑ کر اپنا ہاتھ داڑھ پہ رکھا اور الحمد اللہ پڑھ کر دم کرنا شروع کیا چند منٹ

میں سب درد اور بے چینی جاتی رہی۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ امی جان میرے ہاں (دس سال ہو گئے ہیں) کوئی اولاد نہیں آپ دعا کریں اولاد ہو جائے۔ آپ نے کہا۔ فکر نہ کرو انشاء اللہ میں دعا کروں گی۔ ڈیڑھ سال بعد میں سکول سے پڑھ کر واپس آیا دوپہر کا وقت تھا شدید بھوک لگ رہی تھی میں نے آتے ہی کچھ چیز مانگی۔ کھانے کے لئے آپ نے مجھے کہا نعمت خانے سے مٹھائی کھا لو۔ میں نے دیکھا وہاں مختلف قسم کی کئی مٹھائیاں پڑی ہوئی تھیں میں نے آکر پوچھا یہ کہاں سے آئیں۔ فرمانے لگیں تمہیں یاد ہوگا دیر ہوئی ایک عورت آئی تھی کہ دعا کریں میرے اولاد نہیں ہوتی خدا نے اُسے بچہ دیا ہے وہ میرے لئے یہ مٹھائی لائی ہے اور نام بھی پوچھ رہی ہے کہ کیا رکھوں وہ کہتی ہے آپ کی دعاؤں سے خدا نے اولاد دی ہے اب آپ ہی اُس کا نام تجویز کریں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ عورت باہر برآمدے میں ہی بیٹھی رہی اُس وقت تک نہیں گئی جب تک آپ نے اس کا نام تجویز نہیں کر دیا۔

میری پھوپھی جان (بیگم نواب عبد اللہ خان صاحب) ایک دفعہ آنکھوں کے دُکھنے کی وجہ سے بڑی بیمار ہو گئیں آپ نے انہیں دُعا کے لئے لکھا اور دم کے لئے کہا۔ آپ نے دم کیا خدا کے فضل سے بالکل آرام ہو گیا۔ میں خط کا وہ حصہ لفظ بہ لفظ درج کئے دیتا ہوں (دونوں خط میرے پاس محفوظ ہیں پہلے دم کے لئے کہا ہے اور دوسرا خط آرام آجانے کا لکھا ہے)

"پرسوں آپ کا خط ملا اور بے حد خوشی ہوئی واقعی دل کو دل سے راہ ہوتی ہے میرے دل میں بار بار خدائی تحریک تھی کہ آپ کو دعا کے لئے خط لکھوں بلکہ ایک دن تو رات کو آنکھ کھل کر یہ خیال بندھ گیا۔ادھر آپ لکھتی ہیں کہ آپ کو خود بخود میرے لئے دعا کی توجہ پیدا ہوئی۔ واقعی یہ خدا کا تصرف ہوتا ہے جس سے چاہتا ہے دعا کروا لیتا ہے میری آنکھوں کو بفضل تعالیٰ آپ کے دم سے نمایاں فرق ہے جزاکم اللہ احسن الجزاء"

آپ کوئٹہ میں بیٹھ کر نصرت آباد دم کرتی رہیں اور خدا نے شفا دی۔مجھے کئی دفعہ سر میں شدید درد کا دورہ پڑتا رہتا اور میں آکر امی جان سے کہتا امی جان دم کریں وہ دم کرتیں اور مجھے خدا کے فضل سے جلد ہی آرام آجاتا میں بچپن سے ہی بیمار رہا ہوں پھر بعض ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا کہ میں شاید مستقل چارپائی پہ دراز ہو جاتا مگر اپنی امی کی دعاؤں کی طفیل ناصر میں اب خدا کے فضل سے ٹھیک ہوں بلکہ سمجھتا ہوں خدا تعالیٰ ضرور مجھ سے بھی اسلام کی بڑی خدمت لے گا انشاء اللہ کیونکہ مجھے اپنی ماں کی دعاؤں پہ بے حد یقین ہے۔

امۃ القیوم بیگم لکھتی ہیں :-

"حقیقت میں مرحومہ ہم سب کے لئے اسلام اور احمدیت کی تعلیم کا صحیح اور سچا نمونہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کا بہت محبت کا تعلق تھا عورتیں آپ کے پاس دعا کے لئے آتیں اور کہتیں کہ امی جان آپ ہمارے لئے دعا فرمائیں

کہ اللہ تعالیٰ ہمارا فلاں کام کر دے چنانچہ آپ دعا فرماتیں جو اکثر قبول ہو جاتی آپ کا اکثر وقت تسبیح و تحمید میں گذرتا نماز پورے انہماک اور توجہ سے پڑھتیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور بڑے ادب و احترام سے حاضر ہوتیں اور میں نے کئی بار دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے دوپٹہ دوہرہ کر کے اوڑھتیں باوجود اس کے کہ آپ اکثر بیمار رہتیں اور بعض اوقات طبیعت بہت خراب ہوتی لیکن آپ نماز باقاعدگی سے ادا کیا کرتیں۔ اور بعض اوقات بیماری کے باعث بیٹھ کر پڑھتیں لیکن لیٹ کر پڑھتے کبھی نہیں دیکھا ہر نماز کے بعد انگلیوں پہ تسبیح و تحمید کرتیں جب تک ختم نہ کرتیں کسی سے بات نہ کرتیں اور جن دنوں ذرا طبیعت اچھی ہوتی صبح کے وقت قرآن کریم کی تلاوت بھی فرماتیں اور سفر میں بھی قرآن کریم ہمیشہ ساتھ رکھتیں آپ مستجاب الدعوات تھیں جتنی دفعہ دعا کرتیں اور وہ اسی وقت قبول ہو جاتی۔ چنانچہ ربوہ میں گرمیوں کا ایک واقعہ ہے اس وقت گرمی شدت کی تھی ہوا کا نام و نشان نہ تھا آپ عصر کی نماز پڑھ رہی تھیں جب آپ ختم کر چکیں تو ہوا چلنی شروع ہو گئی خاکسارہ پاس ہی تھی فرمانے لگیں سبحان اللہ میں نے ابھی اللہ میاں سے دعا کی تھی کہ الٰہی بڑی سخت گرمی ہے تو ہوا بھیج دے سو اس نے فضل کر دیا اس وقت اگر میں کوئی اور دعا کرتی تو وہ بھی قبول ہو جاتی اس طرح آپ اپنی کامیابی پہ خوش ہو کر پھر خدا کا شکر اور تسبیح و تحمید میں مصروف ہو گئیں"

ایک دفعہ سردیوں کے دن تھے صبح اُٹھ کر فرمانے لگیں آج اگر عالمہ آجائے تو حضرت صاحب کی پگڑیاں دھلوا لوں۔ پھر کہنے لگیں خدایا اُسے بھجوا دے ابھی ہم الحمد للہ کہہ بھی نہ چکے تھے کہ عالمہ چلی آرہی تھی (عالمہ ہمارے گھر چودہ پندرہ سال سے

کام کر رہی تھی آپ سے بے حد تعلق تھا اور آپ کے اکثر کام وہی آکر کیا کرتی تھی)۔

ہمت اور شجاعت

ایثار قربانی اور محبت سے لبریز یہ ہستی اپنے اندر عظیم جرأت اور ہمت بھی رکھتی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح پر جب ۱۹۵۴ء میں چاقو سے حملہ کیا گیا اس سے ایک روز قبل کی بات ہے ہمارے گھر کوئی تقریب تھی اور دوپہر کا کھانا لنگر خانہ سے پکوایا گیا تھا جو آدمی کھانا لے کر آئے تھے اُن میں وہ خبیث الطبع انسان بھی تھا کہ جس نے اگلے روز حضور پر حملہ کیا اس کا خیال تھا حضور نیچے رہتے ہیں اور گھر کا نقشہ دیکھنے آیا تھا کیونکہ اسی روز رات کو میں اپنے کمرہ میں پڑھنے سے فارغ ہو کر سویا چونکہ ابھی بجلی نہیں آئی تھی اس لئے مٹی کے تیل کا لیمپ جل رہا تھا۔ میرے کمرہ سے ایک کمرہ چھوڑ کر میری والدہ سو رہی تھیں درمیان کے کمرہ میں لالٹین جل رہی تھی۔ تقریباً بارہ کا وقت ہوگا کہ اچانک میری آنکھ کھُلی اور ہر طرف اندھیرا تھا میں نے امی جان کہہ کے آواز دی اتنے میں ان کی آواز آئی کہ رفیق اندھیرا کیوں ہے میں نے کہا مجھے خود علم نہیں جب میں سویا تھا لیمپ اور لالٹین جل رہے تھے مجھے فرمانے لگیں ٹھہرو میں ابھی آتی ہوں۔ آپ اندھیرے میں ٹٹولتی ہوئی میرے کمرہ میں تشریف لائیں اور مجھے کہنے لگیں جلدی سے باہر کا دروازہ کھول دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو فرمایا تم باہر چلے جاؤ۔ میں نے کہا نہیں پہلے آپ جائیں پھر میں جاؤں گا آپ نے پھر دوہرایا کہ میں کہہ رہی ہوں تم کیوں نہیں جاتے میں نے

کہا میں آپ کو چھوڑ کر خود نہیں جا سکتا کہنے لگیں۔ میں تمہیں حکم دیتی ہوں۔ مجھے مجبوراً باہر نکلنا پڑا۔ باہر آتے ہی میں نے کہا آپ بھی آجائیں۔ مگر آپ نے دیا سلائی جلائی لیمپ روشن کیا اور چارپائی کے نیچے دیکھنے لگیں اور پھر مجھے کہا اب آجاؤ میں جب اندر آگیا تو غسل خانہ کی طرف جا رہی تھیں کہ وہاں کا دروازہ دیکھ لوں میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر لیمپ اُن سے لے لیا دروازے دیکھے تو تمام کھلے تھے جنہیں میں نے سونے سے قبل اپنے ہاتھ سے بند کیا تھا۔ میں نے سارا گھر دیکھا دروازے بند کئے۔ لالٹین کسی نے ٹھوکر سے گرا دی تھی غالباً یہ ہی محرک تھی آنکھ کھلنے کی جب سب کچھ دیکھ کر تسلی کر لی تو میں نے آپ سے دریافت کیا کہ آخر آپ مجھے کیوں باہر نکال رہی تھیں۔ فرمانے لگیں کہ اگر کوئی آدمی چھپا ہوتا تو تم کس طرح مقابلہ کرتے میں تو کر سکتی تھی۔ کمال ہے اتنے عرصہ سے بیمار اور عورت ہونے کے باوجود آپ مرد دشمن کے مقابلہ کو تیار ہو جاتی ہیں مگر اپنے جوان بیٹے کو باہر نکال دیتی ہیں کہ تم بچہ ہو۔ بہرحال کمال جرأت اور شجاعت ہے میں نے بہت کم عورتوں میں دیکھی ہے۔ آج کل کی لڑکیاں تو چور کے نام سے کانپنے لگتی ہیں۔

کئی دفعہ ایسا ہوا کہ گرمیوں میں میری آنکھ کھُلی چونکہ گرمیوں میں باہر سوتے ہیں اور بسا اوقات گھر میں سوائے میرے اور امی جان کے کوئی نہیں ہوتا تھا حضور بھی باہر تشریف لے جاتے تو کیا دیکھتا کہ آپ ہاتھ میں میری ہاکی یا سوٹی پکڑے پھر رہی ہیں میں کہتا یہ کیا؟ فرماتیں آج سوتے ہوئے دروازے نہیں دیکھے میں نے کہا اٹھ کر دیکھ لوں۔ آپ کو اکثر دائیں لات میں شدید درد ہوتی تھی بعض دفعہ سردیوں میں بھی شدتِ درد سے پسینہ آجاتا تھا مگر گھر کا کام سارا خود کرتیں بعض دفعہ گھر پہ

کوئی نوکر نہ ہوتا حتیٰ کہ باورچی تک عنقا ہوتا تھا آپ خود کھانا پکاتیں گھر صاف کرتیں اس حالت میں کہ درد کی شدت الگ تڑپا رہی ہوتی میں انہیں اس حالت میں دیکھتا تو مجھے از حد صدمہ ہوتا یہ محسوس کر کے کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ جہاں تک میری ہمت ہوتی گھر کا کام بھی کرتا مگر کمال ہمت ہے اُس انسان کی جو اس قدر بیمار بھی ہو کہ بآسانی لیٹ نہ سکتا ہو مگر اس کے باوجود سارا کام کر رہا ہے اور ایک حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتا۔ انہیں دیکھ کر بسا اوقات یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ بوڑھی ہیں اور میں جوان۔ مجھے جس کام کی ہمت نہیں پڑتی خود کر رہی ہیں۔ ایک دفعہ آپ اپنے کچھ کپڑے نکال رہی تھیں ایک ٹرنک بے حد بھاری تھا میں نے اُٹھانے کی کوشش کی مگر اُٹھ نہ سکا مجھے کہنے لگیں تم ایک طرف ہو جاؤ میں اُٹھاتی ہوں۔ میں نے کہا جب مجھ سے نہیں اُٹھ رہا آپ کس طرح اُٹھائیں گی میرے اصرار سے آپ نے چھوڑ دیا

جس روز بیماری کا حملہ ہوا اُس سے ایک دن قبل آپ اپنی والدہ کو ملنے تشریف لے گئیں واپسی پہ مجھے کہا کہ بازار سے ہوتے چلیں گے۔ جب ہم بازار پہنچے اور جنرل پوسٹ آفس سے دُکانوں کا رُخ کیا جاتے ہوئے انتہائی تھی (یہ مری کا واقعہ ہے) واپسی پہ میں نے کہا رکشا لا دوں آپ تھک گئی ہوں گی۔ فرمانے لگیں نہیں جب تک ہمّت ہے میں پیدل ہی چلوں گی۔ پچاس گز چلنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ سانس بہت تیزی سے چل رہا ہے اور ہاتھ جو کہ میرے ہاتھ میں تھا ضعف و تکان سے کانپ رہا ہے میں نے پھر رکشا کے متعلق دریافت کیا آپ نے کہا نہیں میں نہیں تھکی میں قریب ہی ایک دُکان میں آپ کو لے گیا کہ یہاں چیزیں آپ کی ضرورت کے مطابق مل جائیں گی اور اس بہانے چپکے سے رکشا لینے چلا گیا جب واپس آیا

تو مجھ سے پوچھا کدھر گئے تھے میں نے کہا آپ کے لئے رکشا لینے۔ بڑے غصّہ سے فرمایا میں تو تکان محسوس نہیں کر رہی تم بیٹھ جاؤ۔ بہرحال چونکہ میں سب سے چھوٹا ہوں اور اکثر میری ضد کام آجاتی تھی اس لئے اس وقت بھی میں ضد کرنے لگا کہ نہیں امی اب آپ کو بیٹھنا ہی پڑے گا اور اس طرح مجبور کر کے انہیں بٹھایا۔ اسی روز بیماری کا حملہ ہوا جو ہر امکانی انسانی کوشش دعا اور دوا کے باوجود ہماری محسنہ کو ہم سے جدا کر گیا۔ اُف توبہ ؏

وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

جب حضور کو اس بات کا علم ہوا کہ آپ اتنی چڑھائی طے کر کے بازار پھرتی رہی ہیں اور آتے ہی ۱۰۴ بخار چڑھ گیا۔ فرمانے لگے تم اپنی ہمت سے زیادہ کام کرتی ہو عمر کے مطابق کام کیا کرو۔

افراد جماعت سے عام ہمدردی

جماعت کے افراد خواہ عورت ہو یا مرد غریب ہو یا امیر جو بھی آپ کے پاس آیا اس سے انتہائی خندہ پیشانی سے ملتیں بے حد محبت و پیار سے پاس بٹھاتیں باتیں کرتیں اور اس کے دکھ سنتیں نصیحتیں کرتیں۔ ہر جلسہ پہ تمام عورتیں خواہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتی ہوں سب کو چائے پلاتیں۔ ہر وقت چائے بنتی رہتی اور ہر مہمان کو پلائی جاتی الا ماشاء اللہ۔

میں چند باتیں نیچے لکھ رہا ہوں۔ جو بعض لوگوں نے مجھے آپ کی وفات کے بعد

لکھی ہیں ساری نقل کرنی مشکل ہیں بعض لکھے دیتا ہوں جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کی محبت کا سمندر کس قدر لامتناہی تھا۔

محترمہ امۃ القیوم بیگم مولوی محمد صدیق صاحب سیرالیون (افریقہ) سے لکھتی ہیں۔ موت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ازلی قانون ہے کہ دنیا کے ہر فرد و بشر کو ایک نہ ایک دن یہ پیالہ پینا پڑتا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اور اس پر انسان کو پیدا کیا ہے کسی شخص کو بھی خواہ وہ نبی ہو یا ولی، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا رعایا اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں کیا چنانچہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام جیسی مقدس ترین اور پیاری شخصیتیں (جو کہ دنیا کے لئے سراسر رحمت اور ہدایت بن کر آئیں اپنا اپنا کام کر کے آخر اپنے پیارے رب سے جا ملیں)۔ آج کل ہمارے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدس صحابہ اور صحابیات بھی ایک ایک کر کے ہم سے رخصت ہو رہے ہیں۔ ان ہی پیاری اور محترم ہستیوں میں سے حضرت امی جان سیدہ ام ناصر رضی اللہ عنہا تھیں جو حال ہی میں ہم سے جدا ہو کر اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ ابدی جنت میں تشریف لے گئی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ کی المناک وفات کی خبر یہاں بو (BOO) میں ۲ ۵۸ش کو بذریعہ تار ملی اس وقت خاکسارہ ہسپتال میں تھی اس خبر کو سن کر دل کو سخت صدمہ ہوا اور تھوڑی دیر کے لئے ماضی کے حالات و واقعات میں کھو کر اپنے اردگرد کے ماحول سے بے خبر ہو گئی۔ حضرت امی جان کے ساتھ کچھ بیتے ہوئے دن آپ کی محبت بھری باتیں اور نصائح ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔ اور اچانک اس خبر کے سننے سے یقین

[illegible] آتا تھا لیکن الفضل کے پڑھنے کے بعد دل غم کے بوجھ سے دبنے لگا پھر یقین سا آنے لگا کہ ہماری پیاری امی جان غریبوں سے محبت کرنے والی مصیبت زدوں کی غمخوار قوم کی ہمدرد ماں آج ہم سے جدا ہو گئیں۔ پھر دل میں نہایت حسرت کے ساتھ یہ خیال آتا رہا کہ کاش آپ کی بیماری کی خبر مل جاتی تو دعا سے آپ کی آخری [illegible] کر سکتی"۔ آگے آپ کے چند واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

"ایک دن خاکسارہ نے آپ کا بستر لپیٹا تو تکیہ کے نیچے سے چار روپے نکلے خاکسارہ نے آپ کو دکھائے تو فرمایا۔ یہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجے ہیں۔ آپ چندوں میں باقاعدہ دیتیں [illegible] شروع ہوا آپ چندے بھجوا دیا کرتی تھیں۔ دین کی خدمت اسلام کی اشاعت کی آپ کے دل میں بڑی تڑپ تھی اور جوش تھا۔ آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے بے حد محبت تھی۔ آپ حضور کی بے حد عزت اور احترام کرتیں اکثر بیماری [illegible] (موعود) جس دن باری ہوتی حضور کا کھانا خود تیار کرتیں اور آپ کی پسند کا بہت خیال رکھتیں۔ حضور پرنور کے کپڑوں کا انتظام ہمیشہ آپ ہی کے سپرد رہتا اور آخر [illegible] اس انتظام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتی رہیں۔ حضور جب بھی آپ کے پاس تشریف لاتے تو باوجود بیماری کے فوراً اٹھ بیٹھتیں لیٹے رہنے کے بجائے اس وقت آپ [illegible] ادب و احترام سے سر پر دوپٹہ لے کر بیٹھ جاتیں اور جتنی دیر حضور تشریف [illegible] بیٹھی رہتیں۔ آپ غریب پرور اور یتیموں کی مدد کرنے والی تھیں بعض اوقات [illegible] قبل ہی کچھ نہ کچھ دے دیتیں۔ مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب [illegible] کی پیدائش پر ایک بوڑھی غریب عورت آپ کے گھر آئی اور کہنے لگی امی جان آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوتا دیا ہے پھر حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کے یہ شعر گانے لگی ۔

اک سے ہزار ہوویں بابرگ و بار ہوویں

اور جب جانے لگی تو آپ نے اس کو کچھ نقدی وغیرہ دے کر فرمایا کہ اے مائی اس کی مٹھائی کھا لینا ۔ وہ دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی

ایک دن خاکسارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی فرمایا کل میری انگلی سے انگوٹھی گر گئی ہے ۔ میں سوچ رہی تھی تم آؤ تو کہیں تلاش کرو (طلائی انگوٹھی تھی جو چھوٹی انگلی سے گر گئی تھی) خاکسارہ نے تمام جگہ تلاش کی لیکن کہیں نہ ملی چونکہ وہ انگوٹھی میں نے دیکھی ہوئی تھی اس لئے میں نے افسوس کیا لیکن آپ نے ایک حرف افسوس کا نہ فرمایا اور نہ کسی پر شبہ کیا خاموش ہو گئیں اور خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو گئیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ۔

طبیعت بہت سلجھی ہوئی پائی تھی ۔ گھر کے معاملہ میں آپ نہایت کفایت کرنے والیں اور سلیقہ شعار تھیں گھر کا انتظام نہایت عمدہ تھا کسی چیز کو ضائع نہ ہونے دیتیں (اس سلسلہ میں مجھے ایک واقعہ یاد آگیا ۔ ۱۹۴۹ء کی بات ہے ۔ غلام محمد صاحب اختر ناظر اعلیٰ کی بیگم صاحبہ چاول لے کر رتن باغ آئیں اور آپ کو دیئے آپ جب دوسرے کپڑے میں ڈال رہی تھیں تو کچھ چاول زمین پر جا پڑے آپ نے انہیں اکٹھا کر لیا اس پر وہ طنزاً بولیں اک لقمہ بن جائے گا؟ آپ نے نہایت متانت سے فرمایا ایک لقمہ کا سوال نہیں خدا کا رزق اس طرح ضائع نہیں ہونا چاہیئے) ۔

ایک دفعہ خاکسارہ کو ایک دُھلا ہوا چوڑی دار پاجامہ نکال کر دیا اور فرمایا اسے سی دو ۔ خاکسارہ نے عرض کیا کہ امی جان یہ تو کئی جگہ سے پھٹا ہوا ہے آپ کوئی او

پہن لیں ۔ فرمانے لگیں کوئی حرج نہیں تم سی دو جمعہ میں دو روز باقی ہیں جمعہ تک کام دے جائے گا جمعہ کو بدل لوں گی اور اُسے سوا کر پہن لیا کپڑا بڑی احتیاط سے استعمال کرتیں بعض کپڑے کئی کئی سال سے پہنتی ہیں (آپ کی شادی پہ جو کپڑے اماں جان نے بنوا کر بھجوائے تھے وہ اب تک موجود تھے) لیکن وہ بالکل نئے تھے ۔ ایک دفعہ خاکسارہ کو آپ نے اپنی ایک سفید قمیض دھونے کے لئے دی اور بتایا کہ اسے دو سال سے پہن رہی ہوں اور آج پہلے دن دھلوانے لگی ہوں خاکسارہ اُسے دیکھ کر حیران رہ گئی اور عرض کیا امی جان کمال ہے یہ تو کہیں سے میلی بھی نہیں ہوئی ہے تو آپ ہنس پڑیں ۔

ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ آپ بچوں سے بے حد محبت کا سلوک کیا کرتے تھے چنانچہ حضرت حسنؓ اور حسینؓ جب بچہ تھے بعض اوقات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو وہ حضور کی گردن پہ بیٹھ جاتے لیکن آپؐ کبھی بُرا نہ مانتے ۔

حضرت امی جان کو بھی اپنی اولاد سے بے حد محبت تھی آپ ہر ایک کا نام بڑی عزت و محبت سے لیتی تھیں ۔ لیکن ان میں سے سب سے چھوٹے بچے مرزا رفیق احمد کے ساتھ محبت کا کچھ اور ہی رنگ تھا ۔

آپ تقریباً اُن کی ہر ایک بات پوری کر دیا کرتی تھیں ۔ قادیان کا واقعہ ہے خاکسارہ اُس وقت تیسری کلاس میں تھی اور رفیق احمد آپ کے کمرہ میں فرش پہ بیٹھے ہوئے لٹو کھیل رہے تھے انہوں نے کہنا شروع کر دیا امی جان آپ بھی ہمارے ساتھ کھیلیں پہلے تو آپ انکار کرتی رہیں جب وہ نہ مانے تو فرمایا اچھا لاؤ چنانچہ میاں آپ کی چارپائی

کے قریب چلے گئے اور سٹول پہ رکھ کر کھیلنا شروع کر دیا کچھ دیر کھیلنے کے بعد فرمایا اب تم کھیلو۔

اِس ناچیز خادمہ کو بچپن میں ہی آپ کی خدمت کرنے کا موقعہ ملا اور اب افریقہ آنے سے قبل ایک مدت کے بعد ربوہ میں ایک بار پھر تقریباً پانچ چھ ماہ سے زیادہ عرصہ آپ کی مبارک زندگی کو دیکھنے کا موقعہ میسر آیا جس سے خاکسارہ کے ایمان اور آپ کے ساتھ محبت میں بہت ترقی ہوئی۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ جب خاکسارہ حاضر ہوتی تو آپ مسکراتے ہوئے فرماتیں کہ میں تمہیں ابھی یاد ہی کر رہی تھی میں کہہ رہی تھی کسی کو بھیج کر اُس کو بلواؤں۔ اور جب خاکسارہ واپس جانے لگتی تو پوچھتیں اب کس دن آؤ گی۔ خاکسارہ عرض کرتی جب آپ فرمائیں میں آجاؤں گی پھر خود ہی فرماتیں فلاں دن آجانا۔ خاکسارہ کے بچوں کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتیں جب کبھی بچوں کو لے کر حاضر ہوتی تو آپ ان کے ساتھ مصافحہ کرتیں اور جب کبھی خاکسارہ ساتھ لے کر نہ جاتی تو فرماتیں تم بچوں کو کیوں نہ لائیں۔ اس عرصہ میں خاکسارہ علاوہ دوسرے کاموں کے حضور کی پگڑیاں دھونے کی خدمت بھی کرتی رہی۔ ایک غیر احمدی عورت نور جہاں جو آپ کا کھانا پکایا کرتی تھی آپ کے پاس رہتی تھی۔ ایک دن خاکسارہ نے کلف پکاتے ہوئے اُسے پوچھا کہ دیکھنا ذرا پک گئی ہے؛ وہ کہنے لگی بی بی ہم کیا جانے کہ پکی ہے یا نہیں تم ہی جانو ہم کوئی دھوبی تھوڑے ہیں ہم تو کپڑے دھوبی کو دے دیتے ہیں وہ ہی دھو کر لے آتا ہے۔ خاکسارہ اچھا کہہ کر خاموش ہو گئی پھر تھوڑی دیر کے بعد نا معلوم اُسے کیا خیال آیا کہنے لگی بی بی تم دھوبن ہو خاکسارہ نے کہا میں دھوبن تو نہیں ہوں لیکن حضرت صاحب کی دھوبن ضرور ہوں۔

چنانچہ خاکسارہ نے حضرت امی جان کی خدمت میں اس لطیفے کا ذکر کیا تو آپ بڑی دیر تک ہنستی رہیں پھر خاکسارہ کو یہ واقعہ سُنایا کہ فلاں عورت (اُس کا نام مجھے یاد نہیں رہا) وہ بچاری بڑی اچھی تھی اللہ مغفرت کرے وہ حضور کی پگڑیاں دھونے آیا کرتی تھی بی بی امۃ العزیز اس وقت چھوٹی تھیں ایک روز کھیلتے کھیلتے اُس کے پاس چلی گئیں اور کہنے لگیں تم دھوبن ہو تو اس نے جواب دیا بی بی دھوبن تو نہیں ہوں حضرت صاحب کی دھوبن ضرور ہوں۔

آپ کی صحت ایک لمبے عرصہ سے خراب چلی آرہی تھی لیکن آپ حد درجہ صابرہ اور شاکرہ تھیں بیماری کا بڑے صبر و تحمل کے ساتھ مقابلہ کرتی رہیں اور کبھی شکوہ نہ کیا۔ سن ۱۹۵۶ء میں موسم گرما میں آپ حضور کے ہمراہ مری اور ایبٹ آباد کے سفر میں تھیں اور میں بھی آپ کے ساتھ تھی۔ مری میں آپ کو سردی کی وجہ سے گھٹنے تک بڑی تکلیف رہی ہر روز صبح اُٹھ کر فرماتیں کہ ادھر آؤ میں ذرا پاؤں پہ بوجھ ڈالوں تاکہ چل سکوں۔ چنانچہ خاکسارہ آپ کے بازو کے نیچے اپنا بازو رکھ کر آپ کو سہارا دیتی تو آپ کمرہ میں ادھر اُدھر ٹہلتی رہتیں۔ ایک دن صبح کے وقت تھوڑی دیر کے لئے باہر صحن میں بھی تشریف لے گئیں لیکن سردی کی وجہ سے جلد واپس آگئیں چونکہ کمرہ میں اکیلی تھیں اور بیماری کی وجہ سے باہر بار بار نہ جا سکتی تھیں اس لئے سارا دن خاکسارہ کو اپنے پاس سے نہ اُٹھنے دیتیں کبھی آپ کوئی بات سُناتیں اور کبھی مجھے کہتیں کہ کوئی بات کرو چنانچہ میں اخبار پڑھ کر سُناتی یا کوئی واقعہ سُناتی۔ ایک دن فرمایا جن کی مائیں میرے ساتھ محبت کا تعلق رکھتی رہی ہیں اُن کی اولادیں بھی میرے ساتھ محبت سے پیش آتی ہیں۔ نیز فرمانے لگیں جو لوگ میرے ساتھ محبت

کرتے ہیں میں اُن کے لئے دعا کرتی رہتی ہوں کہ اے خدا جو میرے ساتھ محبت کرتا ہے تو بھی ان کے ساتھ محبت کر، اس سفر میں خاکسارہ نے ایک بات کو بہت زیادہ محسوس کیا جس کو حضور اور آپ کی برکات کا ثمرہ اور آپ کی نیک صحبت کا اثر سمجھتی ہے کہ تمام سفر میں نا صرف آپ کی دعاؤں سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ ملا۔ بلکہ خود بھی غیر معمولی دعا کرنے کے مواقع میسر آتے رہے آپ کے نزدیک رہنے سے جو محبت آپ سے پیدا ہو گئی تھی وہ ایسی نہیں کہ آپ کی یاد اب بھول سکے نہ صرف یہ ناچیز خادمہ بلکہ ہر ملنے والی کے دل میں آپ کی یاد نقش ہو گئی ہے کیونکہ آپ کا سلوک ایسا محبت والا تھا کہ ہر ملنے والی سمجھتی کہ آپ کو صرف میرے ساتھ ہی اتنی محبت ہے۔ آخر میں ہم اپنے رحیم و کریم اور قادر خدا تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعا ہے کہ وہ حضرت امی جان رضی اللہ عنہا کو اپنے قرب میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے"۔

اسی طرح ماسٹر فقیر اللہ صاحب فرماتے ہیں :-

"آپ کے میرے خاندان سے بہت پرانے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے تعلقات تھے۔ میرے بچوں کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتیں۔ ربوہ سے سے جب میرے گھر سے اُن کو ملنے کے لئے جاتیں تو اپنی کار منگوا کر اس میں ان کو واپس بھجواتیں اور ساتھ کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور دیتیں۔ کبھی کبھی ہمارے ہاں تشریف لاتیں تو کافی دیر ٹھہرتیں اور میری بیوی کے ساتھ پیار محبت کی باتیں کرتی رہتیں۔ میری چھوٹی لڑکی طاہرہ اختر کی شادی پہ ہمارے ہاں مسلم ٹاؤن تشریف لائیں۔ رخصتانہ کے وقت لڑکی کے ماں باپ کو طبعاً کچھ نہ کچھ صدمہ ہوتا ہے مجھے

جب مغموم دیکھا تو فرمانے لگیں ماسٹر صاحب آپ کچھ فکر نہ کریں میں خود لڑکی کے ساتھ اس کے سسرال تک جاؤں گی۔ اور اطمینان سے اسے اپنے سسرال پہنچا کر واپس گھر جاؤں گی۔ اُن دنوں لڑکے کے سسرال میکلوڈ روڈ پر رہتے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز رتن باغ میں رونق افروز تھے۔ ابھی ربوہ تشریف نہ لائے تھے۔ چنانچہ کار میں اسے اپنے ساتھ بٹھا کر لائیں اور سسرال پہنچا کر آپ گھر تشریف لے گئیں یہ واقعہ مجھے کبھی نہ بھولے گا!"

سردار بیگم اہلیہ شیخ محمد دین صاحب تحریر فرماتی ہیں :

"آپ نے حضرت ام ناصر احمد کے حالات تحریر کرنے کے بارے میں الفضل میں اعلان کیا ہے۔ میں نے اس سے پیشتر ہی اخبار میں حالات شائع کروانے کے لئے لکھوائے ہوئے تھے اب آپ کی خدمت میں بھیج رہی ہوں۔ امید ہے کہ آپ انہیں ضرور حضرت ام ناصر کی سوانح عمری میں درج کریں گے۔

میں نے جس وقت لاہور میں حضرت ام ناصر رضی اللہ عنہا کی وفات کی المناک خبر سنی اسی وقت میں اور شیخ صاحب ربوہ روانہ ہو گئے۔ اور ساری رات ہی قصر خلافت رہی۔ حضرت ام ناصر کا چہرہ مبارک دیکھا جو بالکل اسی طرح پُر رونق اور بشاشت سے بھرا ہوا نظر آ رہا تھا جیسا کہ زندگی میں ہوا کرتا تھا۔ دیکھتے ہی آپ کے حسن سلوک اور مشفقانہ برتاؤ کے اَن گنت واقعات آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ اور میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے۔ مجھے ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے میری حقیقی بہن اس دُنیا سے رخصت ہو گئی ہے۔ اُنہیں مجھ سے اور مجھے اُن سے حقیقی بہنوں کا سا پیار تھا۔ اللہ تعالیٰ میری بہن پر اپنے فضلوں کی بارش نازل فرمائے

اور جنت الفردوس میں ارفع مقام بخشے۔ آپ سب کو صبر کی توفیق دے (آمین)

جب میں پہلے پہل قادیان آئی تو میری وہاں کوئی واقفیت نہ تھی۔ جب میں دار الخلافت میں گئی تو آپ سے اور دیگر خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواتین مبارکہ سے ملاقات ہوئی۔ بس اسی روز سے میری محبت حضرت ام ناصر سے شروع ہو گئی۔ میرا چھوٹا بچہ تھوڑی ہی دیر ہوئی فوت ہوا تھا جس کے باعث میں اکثر اُداس اور ملول رہا کرتی تھی۔ میرے بڑے بچے سکول جاتے اور میں آپ کے پاس آجاتی۔ میرے ساتھ آپ نہایت ہی محبت اور پیار سے پیش آتیں اور مجھے تسلیاں دیا کرتیں۔ جس سے میرا غم غلط ہو جاتا۔ آپ مجھے باتوں میں مشغول رکھتیں۔ اس طرح سے میرا دل دوسری طرف لگا رہتا۔ اگر کبھی دو چار دن آپ کے پاس رہے بغیر گزرتے تو ضرور کہلوا بھیجتی تھیں کہ کیوں نہیں آئی؟

ایک روز آپ نے فرمایا۔ میرے ساتھ سیر کو جایا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا میری خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔ پھر میں اکثر ان کے ساتھ سیر پر جایا کرتی تھی۔ راستہ میں وہ مجھے نصائح اور مشورے دیتیں۔ اس طرح ہماری محبت استوار ہوتی چلی گئی۔ اور آپس میں گہرے مراسم ہوتے چلے گئے۔ ان دنوں منشی صاحب کی تنخواہ بہت کم تھی اور ہماری مالی حالت بہت کمزور تھی۔ آپ میرا ہر طرح سے بہت خیال رکھتیں اور اکثر اوقات میری مدد فرماتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ کشمیر جانے لگیں تو بہت سے لوگوں نے کہا کہ مکان ہمیں دیتی جائیں مگر آپ نے یہی کہا کہ منشی صاحب کا مکان بہت تنگ ہے اور انہیں تکلیف ہے میں تو یہ مکان ان ہی کو دے کر جاؤں گی۔ اور آپ

جاتی دفعہ اپنا مکان ہمیں دے گئیں اور گھر کی ہر چیز میرے حوالے کر گئیں۔ جب واپس تشریف لائیں تو اپنے گھر کی ہر چیز صاف پا کر بہت ہی خوشی کا اظہار کیا۔

جب میں نے اپنے بڑے لڑکے شیخ مبارک احمد کی وقف کی تو بہت ہی خوش ہوئیں۔ اور فرمایا۔ تمہیں احمدی ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے۔ تم نے بہت ہی قربانی کی ہے۔ اس کا اجر اور ثواب تمہیں کو حاصل ہوگا۔

جب اپنے لڑکے مبارک احمد کی شادی کے لئے کمیلہ گئے تو واپسی پر آپ نے ہم سب کے کھانے کا انتظام نہایت ہی اعلیٰ پیمانے پہ کیا ہوا تھا۔ میرے سب بچوں لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کے موقعہ پہ آپ نے تحفے دیئے۔ اور حقیقی بہنوں کی طرح مدد فرمائی۔ میری بہنوں کو اپنی بہنوں کی طرح اپنی کار میں بٹھا کر لائیں۔ انہیں دیکھ کر بہت مسرور ہوئیں۔

جب کبھی شیخ صاحب قادیان سے باہر جاتے تو ان دنوں آپ خصوصیت سے ہمارا خیال رکھا کرتی تھیں کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ ہر عید پہ میرے اور میرے بچوں کے لئے عیدی بھجوایا کرتی تھیں۔ جب بھی میں آپ کے پاس جاتی اگر کھانے کا وقت آجاتا تو اپنے ساتھ ضرور کھانا کھلاتیں اور اگر چائے کا وقت ہوتا تو اپنے ہاتھ سے نہایت ہی شفقت سے چائے پلا کر رخصت کرتی تھیں جب بھی میرے بیٹے بہوئیں۔ بیٹیاں میرے پاس آتے سب کا حال تفصیل سے دریافت فرماتیں۔ اور سب کے لئے دعا فرمایا کرتی تھیں۔ جب بھی میرا دل اُداس ہوتا اور پریشان ہوتی تو آپ کے پاس جاتی۔ آپ میری ہر طرح سے

دِل جوئی فرماتیں اور ہمت بندھاتیں۔ میرے بچوں کی شادیوں میں بڑی محبّت اور اشتیاق سے تشریف لائیں۔ جہیز اور دیگر اشیاء کو بڑے اشتیاق سے دیکھتیں اور خوشی کا اظہار فرماتیں۔ اس کے علاوہ قیمتی اور مفید مشوروں سے بھی مستفید فرمایا کرتی تھیں۔ جب بھی میرے لڑکے باہر کے ممالک سے آتے۔ تو مجھے نہایت محبت کے ساتھ اپنی طرف سے مبارکباد کا تحفہ بھیجتیں اور اب اُن کے چلے جانے کے بعد مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے بروقت موزوں مشوروں سے نوازنے والا وجود نہیں رہا۔ جیسے میری نہایت ہی محبوب و شفیق بہن اس جہان سے رخصت ہوگئی ہو۔

دعا کرتی ہوں کہ جس طرح آپ نے اپنی زندگی میں خوشیاں دیکھی ہیں۔ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اگلے جہان میں خوش اور شادماں رکھے"۔

شیخ محمد حنیف صاحب ابن شیخ کریم بخش صاحب کوئٹہ سے تحریر فرماتے ہیں۔

"کوئٹہ کی جماعت کے جس دوست سے بھی غم غلط کرنے کے لیے حضرت امی جان کا ذکر میں نے کیا ہر ایک کو سوگوار پایا۔ اُن کی وفات کے بعد ان کی شخصیت کے وسیع دائرے کا علم ہوا۔ بعض واقعات سُن کر حیرت ہوئی اور آنکھیں پُر نم ہوگئیں۔ ہمارے سابق امیر جماعت میاں بشیر احمد صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت امی جان کی خدمت میں ایک امر کے لیے دعا کی درخواست کی۔ پورے تین سال گزر گئے کہ حضرت امی جان نے لکھوایا کہ آپ نے فلاں امر کے لئے دعا کرنے کو لکھوایا تھا۔ میں اُسی وقت سے دعا کر رہی ہوں مگر آپ نے پھر کچھ لکھا ہی نہیں۔ (اللہ اللہ) کتنی شفقت ہے۔ کتنی مہربانی ہے۔ حقیقی والدہ بھی شاید

[illegible]

بھائی رفیق! آپ کو یاد ہوگا مشاورت کے موقع پر جب مجھے بلاتیں۔ دروازہ [illegible] سے ہوکر بس شفقت سے فرمایا کرتی تھیں۔ کہ میں آپ کے اعلانات [illegible] رہتی ہوں۔ اور برابر دعائیں کرتی رہتی ہوں لیکن بیماری کے باعث [illegible] بڑی بھابی جو آج کل کوئٹہ میں ہیں نے نمناک آنکھوں کے ساتھ فرمایا [illegible] قدم بوسی کے لئے حاضر ہوتی تو اُٹھ کر چھاتی سے لگائیں۔ اور اپنے [illegible] بیٹھنے کا ارشاد فرماتیں"۔

[illegible] مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور تحریر فرماتی ہیں :-

"اگرچہ [illegible] ۱۹۳۵ء سے ہی قادیان آنے کا موقع ملتا رہا اور سلسلے کے کاموں کو حسب [illegible] کرتی رہی۔ اور محترمہ امی جان سے تعارف بھی تھا۔ لیکن بے تکلفی کی [illegible] ربوہ آکر زیادہ قریب رہنے کا موقع ملا۔ اور بے تکلفی بھی انہوں نے [illegible] کر دی۔ اور جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب میں ایک دفعہ ان کے ہاں گئی۔ تو انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ میرے کتنے بہن بھائی ہیں۔ اور والدین کہاں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ نہ میرا کوئی بھائی ہے اور نہ ہی کوئی میری بہن ہے۔ والدین بھی عرصہ ہوا فوت ہو چکے ہیں۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور فرمایا۔ آئندہ کے لئے مجھے اپنی بہن سمجھنا۔ اور جس چیز یا کسی کام کی ضرورت ہو مجھے بے تکلف [illegible] اس کے بعد ان سے بے تکلفی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔

اپنے لڑکے لطف الرحمٰن کے رشتے کے متعلق اس کی تجویز اپنی برادری میں کرنے کے متعلق ہوئی۔ تو فرمایا اپنے خاندان کے اندر رشتے کرنے اچھے ہوتے ہیں۔ اور

کئی آسانیاں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن میرا مشورہ یہ ہے کہ کچھ بچوں کے رشتے اپنے خاندان سے باہر بھی کرنے چاہئیں۔ اس میں بھی کئی فائدے ہیں۔ بعض بیماریاں اور عادتیں خاندان میں ہی رشتہ کرنے کی وجہ سے چلتی چلی جاتی ہیں۔ لیکن باہر رشتہ کرنے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے تعلقات کی وجہ سے وہ بھی دُور ہو جاتی ہیں۔ اور تعلقات بھی وسیع ہو جاتے ہیں اور بعض حالات میں مالی لحاظ سے بھی زیادہ مفید ہوتا ہے۔

جب میری لڑکی حلیمہ کی شادی ہوئی۔ تو ان دنوں سیدہ ام ناصر کی طبیعت ٹھیک نہ تھی لیکن میری اس درخواست پر (کہ حضور خلیفۃ المسیح الثانی نے لڑکی والوں کو تو چائے پلانے کی بھی اجازت نہیں دی۔ اب آپ ایسے بزرگوں کی برکت اس تقریب میں صرف تشریف آوری ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے ـــــ لہذا ہماری خاطر نہ سہی اپنے وجود باجود کے فیض کو عام کرنے کے لئے ہی سہی ہمارے ہاں قدم رنجہ فرمائیے) ـــــ بنفس نفیس ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائیں اور اس تقریب کو صحیح معنوں میں تقریب شادی بنا دیا۔

عزیزم لطف الرحمٰن کی شادی سے ایک ہفتہ قبل کے قریب سیدہ محترمہ نے اپنی خادمہ کے ذریعہ طشتری میں کچھ کھانڈ، کچھ روپے اور بعض اور چیزیں میرے ہاں تحفۃً بھجوائیں۔ میں ان کی بندہ نوازی کبھی نہیں بھول سکتی۔ اس بابرکت تحفہ کے ساتھ یہ پیغام بھی بھجوایا "مجھے افسوس ہے کہ میں چیزیں دیر سے بھیج رہی ہوں۔ مجھے اس سے پہلے بھیجنی چاہئیں تھیں"۔ اس پر جب میں نے آپ سے کہا۔ امی جان سب سے پہلے آپ کی ہی طرف سے تحفہ آیا ہے۔ تو بہت خوش ہوئیں اور اگلے

دن ہمارے غریب خانے پر تشریف لائیں۔ اور سب کپڑوں اور سامان کو سامنے رکھ کر دیکھا اور مشورہ بھی دیا کہ ان ان چیزوں کا مزید انتظام کرو۔

ایک دفعہ جب میں آپ کے پاس گئی تو مجھ سے کہا۔ کہ میں تو اپنے کاموں کے لئے انور صاحب کو ہی کہتی ہوں۔ کہیں وہ ان کاموں سے گھبرا تو نہیں جاتے۔ میں نے کہا کہ امی جان یہ تو ان کے لئے خوشی کا موجب ہوتا ہے۔ انہوں نے کئی مرتبہ آپ کے کاموں کی انجام دہی کی سعادت حاصل ہونے پر خوشی کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس پر فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں میں تو ان کو ہی اپنے کاموں کے لئے لکھوں اور کہوں گی

ایک دفعہ مجھے کچھ چینی نہایت ہی اعلیٰ قسم کی غالباً کیوبا کی ملی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ چینی اچھی ہے۔ کیوں نہ امی جان کو دوں۔ وہ لے کر میں گئی اور عرض کیا اگرچہ آپ کو چینی کی ضرورت نہ ہوگی لیکن پھر بھی آپ کے لئے لے آئی ہوں۔ اس کو سنتے ہی محبت سے فرمایا۔ کہ چینی تم نہیں لائیں۔ بلکہ میرا خدا لایا ہے۔ ابھی ابھی میں اپنے خدا سے دعا کر رہی تھی کہ کچھ چینی کا بندوبست ہو جائے۔ سو اللہ تعالےٰ کا فضل ہے۔ کہ اس نے انتظام کر دیا۔

ایک دفعہ جب کہ امی جان نے اپنے ہاں اپنے کچھ عزیزوں کی دعوت کی ہوئی تھی سب بیٹیاں اور بہوئیں اور قریبی عزیز جمع تھے میں اُن کے پاس لجنہ کے کام کے سلسلے میں گئی تھی۔ جب واپس آنے لگی۔ تو فرمایا ابھی جانا نہیں۔ پان کھا کر جانا۔ میں نے کہا آپ مصروف ہیں کیا کھانا ہے۔ فرمایا نہیں خالی نہیں جانے دوں گی۔ خود لگا کر دوں گی۔ چنانچہ میں وہاں کھڑی ہو گئی۔ آپ نے پان دان منگوایا جس میں کتھہ ختم تھا۔ اندر سے پیالہ منگوایا جس میں کتھہ تھا۔ اور پان لگا کر دیا۔ میں نے منہ

میں رکھ لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد امۃ الحمید بیگم بنت مرزا بشیر احمد صاحب بھی آگئیں اور اس پیالے سے کتھہ لے کر پان لگایا اور منہ میں ڈالتے ہی تھوک دیا۔ اور کہا کہ چچی جان یہ تو نرا کسٹر آئیل ہے۔ اس پہ امی جان مجھ سے مخاطب ہوئیں اور فرمایا۔ کہ تم نے تو بتایا ہی نہیں۔ مَیں نے کہا۔ امی جان بات تو اُن کی درست ہے۔ لیکن مَیں کس طرح تھوک دیتی۔ آپ کا دیا ہوا پان تھا۔ تھوکنا زیبا نہ تھا۔

ایک دفعہ جب گئی تو ہاتھ میں مرغی کا بچہ پکڑا ہوا تھا۔ اور چولھا پاس تھا۔ مَیں نے اُنہیں اس طرح دیکھ کر عرض کیا کہ چولھا گرم کر دوں۔ تو مجھے منع کر دیا۔ کہ جو پیچھے ملنے آئے تو اس کو چولھے پر بٹھا دوں۔ ابھی دیکھیو سارا کام چند منٹ میں کر لیتی ہوں۔ پھر خادمہ کو بُلایا۔ اور جو چُوزہ حضرت صاحب کے لئے تیار کرنا تھا اپنے ہاتھ سے تیار کیا۔ اور مجھے ہاتھ تک نہ لگانے دیا۔

محترمہ امی جان کا دستور تھا کہ عید الفطر کے موقعہ پر کچی سوئیاں اور کھانڈ اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر ہمارے ہاں گوشت بھجوایا کرتی تھیں۔ یہ اُنہیں کا مقام تھا۔ کہ اتنے اونچے مرتبہ پر ہوتے ہوئے بھی ہمیں اس باقاعدگی سے یاد رکھتیں۔

ایک دن جب مَیں گئی تو مجھے حضرت امیر المومنین کی مستعملہ شلوار دی جو میرے پاس تبرک مبارک کے طور پر موجود ہے۔ اور ساتھ ہی دریافت فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ انور صاحب کو حضرت صاحب کی پگڑی دوں لیکن بے تکلفی سے ہنستے ہوئے فرمایا۔ لالچ نہ کرنا اور بتاؤ کہ انور صاحب کتنے گز کی پگڑی پہنتے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ پانچ گز تو فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ اتنی ہی ہوگی۔ حضور کی پگڑی دس گز کی ہوتی ہے لیکن فرمایا اب تو مجھے فرصت نہیں ہے پھر کسی وقت نکال رکھوں گی۔

آخری واقعہ یوں ہوا کہ صبح ۹ بجے کے قریب امی جان کے ہاں گئی۔ چارپائی پر تشریف رکھتی تھیں۔ میرے لئے کرسی منگوائی۔ مَیں نے کہا آپ کرسی پر تشریف رکھیں لیکن فرمایا کہ نہیں مجھے چارپائی پر بیٹھنے میں آسانی ہے۔ جس پر مَیں کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر اپنے ہاتھ سے چائے بنائی مجھے دی۔ مَیں نے کہا کہ مَیں تو ناشتہ کر کے آئی ہوں۔ اس پر فرمایا کہ مَیں تو دیر سے ناشتہ کرتی ہوں۔ پھر مجھے چائے کی پیالی دی اور ایک بڑی پلیٹ میں خوبانی اور لوکاٹ تھے۔ وہ مجھے دیئے۔ مَیں نے دو تین کھا کر کہا بس۔ اس پر بے تکلفی سے مجھ سے مخاطب ہوئیں اور فرمایا کہ بس اب تم نے خاموش رہنا ہے۔ اور بولنا نہیں جو دوں کھاتی جانا۔ مَیں خاموش ہو گئی۔ اور محترمہ امی جان خود تو دو تین لیچیاں کھائیں لیکن مجھے لوکاٹ۔ خوبانیاں اور لیچیاں اپنے ہاتھ سے چھیل کر دیتی گئیں۔ مَیں نہیں گن سکی کہ کتنی تھیں بس وہ چھیل کر دیتی گئیں اور مَیں کھاتی گئی۔ ایک دفعہ درمیان میں مَیں انکار کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں نے جو کہا ہے کہ خاموش رہنا۔ اس پر مَیں پھر خاموش ہو گئی اور پھر جب تک وہ بڑی پلیٹ ختم نہ ہو گئی انکار کا موقعہ ہی نہ دیا۔ بالآخر فرمایا۔ ہمشیرہ یہ موقعے کبھی کبھی آتے ہیں بار بار نہیں آیا کرتے۔ یہ میری ان سے آخری ملاقات تھی۔ اور جس کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی۔ پھر تو ان کا جنازہ دیکھنا ہی نصیب ہوا۔ کیا محسن اور ہمدرد تھا ان کا وجود۔ کسی ماں نے اس قدر مہربان ہونا تھا۔ یہ ان کا ہی اتنا حصہ تھا۔ اللہ تعالےٰ انہیں اپنے قرب خاص سے نوازے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

دو نظمیں جو الفضل میں شائع نہیں ہوئی تھیں اُنہیں درج کر رہا ہوں۔ ؎

دِل نہ تھا غلّ ابرِ غم اغلال   طبع مائل بہ ضعف و اضمحلال

کوہِ غم جیسے دل پر ٹوٹ پڑا
دو بجے شب سے تھا یہ میرا حال

آج کوہ مری سے آئی خبر
امِ ناصر کا ہو گیا ہے وصال

چل پڑی غم کی ایک بادِ سموم
کیا خبر لائی ہے یہ بادِ شمال

آیۂ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ
جاری ساری ہے بر زبانِ حال

تیرہ تاریخ ہے محرّم کی
بن گیا سال تو یہ غم کا سال

شدّتِ سوزِ غم سے دل ہے کباب
خشکیٔ دیدہ ہے الم پہ وبال

چشمہ و آبشار روتے ہیں
آج کوہ مری ہے نینی تال

جل اُٹھا سب حدیقۂ امید
اڑ گیا سارا رنگ، نقشِ خیال

آنکھ سے اشکِ خون بہہ نکلے
غم کا فوّارہ ہے دلِ غربال

پڑ گیا دل پہ صدمہ جاں کاہ
ہو گئی "روح" فرطِ غم سے نڈھال

رازِ صبر و سکوں ہوئے سب فاش
غم نے کھینچی ہے بال بال کی کھال

قلبِ نازک پہ کوہِ غم کا بار
ایک ننھی سی جان پہ اتنا وبال

برقِ خرمن ہے آج برقِ قفس
دل ہے سینہ میں مرغِ بے پر و بال

روحِ تسکیں کر گئی پرواز
رنگِ رُخ اڑ گیا پری تمثال

رہ گیا وہ مفارقت کا داغ
داغِ فرقت ہے داغِ حزن و ملال

صبح ہوتے ہی ہو گیا اندھیر
شب گزرتے ہی چھا گیا زلال

گُل ہوا ان کی زندگی کا چراغ
شب مسلط ہوئی بہ حد کمال

تن گیا عنکبوتِ زریں تار
بچھ گیا پنجۂ اجل کا جال

بُجھ گیا بُجھ گیا چراغِ سحر
جل اُٹھا جل اُٹھا ہے، باغِ نہال

الحذر الحذر خدا کی پناہ
الاماں الاماں من الاشتعال

تیرے غم سے ہوئے ہیں سینے فگار
نشترِ غم سے دل ہوئے غربال

غم سے منہ پھیرنا ہے دل کو حرام

بارِ خاطر ہے بوئے عنبر رشک
زہر آمیز آج آبِ زلال

روح کے واسطے ہے اک
غم کا ایک ایک ذرّہ مثقال

دامنِ ضبط ہاتھ سے چھوٹا
تزلزل ہے، پائے استقلال

پاؤں پھیلا رہا ہے پائے ثبات
ہاتھ پھیلا رہا ہے دستِ سوال

کاش دامانِ صبر ہاتھ آئے
کاش ہو جائے پھر سکون بحال

قوم کی قوم پر غم طاری
غم کدہ بن گیا ہے عالمِ حال

جلسۂ لجنہ اماء اللہ
بزمِ انصار و مجلسِ اطفال

جس کو دیکھو ہے غم کی تصویر
جس کو دیکھو ہے ضعفِ غم سے نڈھال

جو بھی گزری گزر گئی دل پر
اب ہے کچھ اور دل کی صورتِ حال

صبر کر اے دلِ مغموم
مستقل غم کی داغ بیل نہ ڈال

ہر عروج آج ہے زوال پذیر
بدر گھٹ کر ہوا ہے آج ہلال

کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی
امرِ تقدیر بن گیا فصّال

ڈاکٹر اپنی ہار مان گئے
بھولا ہر اک حکیم قیل و قال

پٹ گئے سب بساط کے مہرے
چل گئی موت آج اپنی چال

خانۂ غم نے جب گریز کیا
میں نے بدلا طریقِ استدلال

چال چلنے کو چل گئی ہے موت
پھر بھی آیا ہے، موت ہی کو زوال

موت نے آج مات کھائی ہے — موت ہی کا ہوا ہے استیصال
موت کو آج موت آئی ہے — زندگی کا ہی زندگی سے وصال
ام ناصر ہیں اک شہیدِ وفا — کیا وفا کہ کبھی ہوا ہے؟ زوال
ام ناصر کو موت سے کیا کام — ام ناصر ہیں زندگی کا مآل
ام ناصر وہ ام ناصر ہیں — نصرت دین تھا جن کا حال وقال
گمرہوں کے لیئے تھیں نور ہدیٰ — اور مظلوم کے لئے تھیں ڈھال
آپ کے دم سے علم کو تھا فروغ — آپ کے دم سے جہالت تھی پامال
کر گئیں زندگی کا راز افشاء — زندگی کیا ہے ؟ اک طلسم خیال
کہہ گئیں بات جو پتہ کی تھی — موت ہے سہل زندگی ہے محال
موت کیا ہے ؟ حیات کی تجدید — زندگی کیا ہے ؟ اک جان کا وبال
موت ہے اک حصار امن و امان — زندگی کیا ہے اک جنگ وجدال
ام ناصر شہیدِ خدمت خلق — ہیں شہادت کی اک زندہ مثال
زندگی موت کا ہے اک آغاز — موت ہے اک زندگی کا ایک کمال
زندگی موت ہے، محال الاطلاق — موت ہے زندگی علی الاجمال
پھر بھی کیا کیجئے کہ غم ہی تو ہے — غم سے پیدا ہوا ہے غم کا سوال
غم ہی کہتا ہے کہ دِل کو لے ڈوبوں — ضبط کہتا ہے تھیں دل کو سنبھال
لے گیا اِن کو جانب فردوس — حق تعالیٰ کا اشتیاق جمال
ام ناصر کا سانحہ سُن کر — رو پڑا سارا احمدیہ ہال
وہ تو رخصت ہوئیں بہرصورت — غم کریں یا کریں نہ غم کا خیال

اسی طرح ضیاء الدین صاحب نے اپنی فارسی کی نظم آپ کی وفات پر حضور کو لکھ کر بھجوائی۔ آپ نے مجھے بھجوادی اسے بھی ذیل میں لکھ رہا ہوں۔

رفت از دُنیا بسوئے آخرت نیکو صفات — رابعۂ دوراں زِ ربوہ ناگہاں ہیہات ہات
یک بیک ماتم کدہ شد بلدۂ ربوہ کہ زیں — زانکہ کاں علیا مراتب بود بس نیک ذات
چشم ترزیں سانحہ لاریب شد و احسرتا — ہریک از خویش واقارب آہ در ہستہ جہات
بودہ حقا سعئے تابندہ کہ آیات حق — ہست موزوں ذکر خیرش مرحبا از محسنات
درحرم خانہ امیر المومنین حوری صفات — کہ برائے تشنگانِ راہِ حق عین الحیات

ہمقرین فاطمہ در خُلد۔ کہ سال سنتار شش ضیا
ہاتفی اینک ندا زد خوش بگوش کائنات

سیدہ ام ناصر رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد مجھے بہت سے ایسے خطوط ملے جو آپ کی عالی حوصلگی بلند کرداری اور اعلیٰ اخلاق کے مظہر ہیں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں ان سب کا شائع کرنا مشکل ہے وہ خطوط جو مضمون کے رنگ رکھتے تھے اور لکھنے والوں کی خواہش تھی کہ اسے بھی آپ کی سوانح عمری میں شامل کیا جائے درج کر دیئے گئے ہیں۔

الغرض آپ کا وجود احمدی مستورات کے لیئے شمع محفل کی حیثیت رکھتا تھا آپ ہر غم میں ان کی ساجھی اور ہر خوشی میں ان کی شریک تھیں۔ ہر اک سے محبت اور پیار کا سلوک تھا کبھی کسی کی دل آزاری نہیں کی کبھی کسی کا بُرا نہیں چاہا اور نہ ہی کبھی کسی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا خود دُکھ سہے مگر دوسروں کو آرام دیا۔ اگر کبھی کسی سے تکلیف اور رنج پہنچا تو وقتی

صدمہ ہوا مگر کبھی بُغض وکینہ کو پاس نہ پھٹکنے دیا چونکہ ساری عمر لوگوں کی بھلائی اور بہبودی میں گزاری ۔ اس لئے کبھی اس راز کو نہ پاسکیں کہ لوگوں کو تکلیف کیونکر دی جاتی ہے ۔ انتہا درجہ کی سادہ اور بھولی فطرت تھی ۔ بہرحال قارئین احباب کے چند تاثرات پڑھ کر یہ اندازہ تو کر سکے ہوں گے کہ بنی نوع انسان کی وسیع ہمدردی کا کتنا بلند اور شیریں چشمہ تھا جو آپ کے سینے سے پھوٹ رہا تھا ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے تعلق

حضرت امی جان کی صحت یوں کافی عرصہ سے خراب چلی آرہی تھی ۔ جب سے قادیان سے ہجرت کی اور مسیح وقت کی مقدس بستی سے ہمیں کوچ کرنا پڑا جس کا انہیں بہت صدمہ تھا اُن کی صحت روز بروز خراب ہوتی چلی گئی ۔ مجھے یاد ہے آپ فرمایا کرتیں کہ میرا آبائی شہر تو لاہور ہے ۔ میرا بچپن بھی یہیں گذرا ہے مجھے قدرتاً یہاں سے لگاؤ ہونا چاہئے مگر قادیان سے جو اُنس اور تعلق تھا وہ چونکہ روحانی بنیادوں پر تھا اس لئے وہاں سے آکر میری صحت ٹھیک نہ رہ سکی ۔

مگر وہ دھچکہ جس نے آپ کو کسی حد تک مکمل بیمار کر دیا تھا ۔ وہ حملہ تھا جو حضور پر ۱۹۵۵ء میں ہوا اور جس کے علاج کے لئے حضور یورپ گئے ۔ مجھے یاد ہے آپ انتہائی سوز و گداز اور بے حد تڑپ سے ساری ساری رات حضور کے لئے دعائیں کرتیں کبھی میری آنکھ کھلتی تو آپ کو سجدہ ریز سسکتے اور بلبلاتے دیکھتا ۔ چونکہ صبر و ضبط

طبیعت ثانیہ بن چکے تھے ۔ اس لئے اس کا اظہار کسی رنگ میں بھی نہ ہونے دیا مگر یہ صدمہ اندر ہی اندر جڑیں پکڑتا چلا گیا ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چہرے کی ظاہری تازگی روز بروز ختم ہوتی چلی گئی اور چند ہی دنوں میں کئی سالوں کی بیمار نظر آنے لگیں ۔ آپ بھی حضرت صاحب کے ہمراہ یورپ گئیں اور حضور نے آپ کی بیماری کے باعث آپ کو بھی زیورک کے ڈاکٹروں کو دکھایا ۔ انہوں نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ آپ کا تو سارا نظام جسمانی مکمل طور پر بگڑ چکا ہے ۔ ہم کس کس چیز کا علاج کریں اور اس طرح وہاں بھی آپ کا علاج صحیح معنوں میں نہ ہو سکا ۔ مختصر آپ نے اپنے شافی خدا پر سب کچھ چھوڑ دیا ہوا تھا ۔

گذشتہ سال کی بات ہے ۔ کہ حضور کے ساتھ آپ مری تشریف لے گئی تھیں ۔ اور میں کالج کی وجہ سے ربوہ ہی رہا ۔ مجھے آپ کی صحت کی بڑی تشویش رہتی تھی جس سے بے حد گھبراہٹ اور بے چینی تھی (یا شائد آگے آنے والے سانحہ کا قبل سے طبیعت پر اثر تھا) میں بار بار آپ کو لکھتا کہ میں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا اور کالج بند ہونے سے قبل ہی مری آجاؤں گا ۔ مگر حضرت صاحب نے فرمایا کہ جب تک کالج بند نہیں ہوتے تم نے نہیں آنا ۔ اس پر اُن کا خط جو میرے نام آیا اس کی چند سطور لکھے دیتا ہوں جس سے آپ کی محبت و تعلق کا حضور کے ساتھ اظہار ہوتا ہے ۔

آپ تحریر فرماتی ہیں :

"تم آرام اور تسلی سے کالج بند ہونے کا انتظار کرو ۔ کالج بند ہونے کے بعد آنا اور خلیفہ کا حکم ماننا ضروری ہے اور پھر باپ کا حکم بھی ۔ اگر انسان خلیفہ کا حکم ماننے میں خوشی محسوس کرے اور سمجھے کہ ہمارے فائدہ کے لئے ہے تو کبھی گھبراہٹ

ہو ہی نہیں سکتی۔ امید ہے تم خوشی اور تسلی سے رہو گے"۔

پھر لکھتی ہیں:

"اگر تم کو یہ معلوم ہو کہ میں تمہارے لئے کتنی دعائیں کرتی ہوں تو پھر تم کبھی نہ گھبراؤ۔ امید ہے تم میری نصیحت پر عمل کرو گے اور خوشی سے رہنے کی کوشش کرو گے"۔

بہر حال باوجود اس کے کہ آپ کو مجھ سے بے انتہا پیار تھا پھر حضرت صاحب نے ایک دفعہ منع کر دیا میں نے ہزار جتن کئے مگر آپ نہ مانیں کہ تمہارے باپ نے کہا ہے اس لئے تم نہیں آ سکتے۔ آپ ہفتہ میں ایک بار ضرور حضور کے کپڑے اپنے ہاتھوں ٹھیک کرتیں دھوپ لگاتیں اور بٹن وغیرہ لگاتیں طبیعت خراب ہو یا ٹھیک مگر یہ کام ضرور کرتیں اور اس قدر دلچسپی سے سر انجام دیتیں کہ کسی اور چیز کا ہوش نہ رہتا۔

حضرت صاحب کا کھانا خود تیار کرتیں اور ہمیشہ حضرت صاحب کی پسند کا خاص خیال رکھتیں چونکہ خود بے حد صفائی پسند تھیں اس لئے ہر وقت یہ خیال رہتا کہ حضور کی ہر چیز صاف ستھری رہے حضور جب کبھی پرانے وقت کا ذکر کرتے اور دلچسپ باتیں ہوتیں تو چہرہ پھول کی طرح کھل جاتا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے دونوں جہان کی دولت مل گئی ہو۔ اسی طرح حضور کی بسا اوقات تھوڑی سی ناراضگی سے کھلتا ہوا چہرہ پژمردہ ہو جاتا۔

بہر حال آپ کو حضور سے جو تعلق اور اُنس تھا اس کو الفاظ میں بیان دینا ممکن نہیں ہے۔ آپ نے اپنے شوہر سے بے لوث اور بے داغ محبت کی جہاں وہ بہترین ماں تھیں وہاں انتہائی ایثار خلوص سے ساری زندگی شوہر کی خدمت میں گذار دی اور کبھی کسی شکایت کا موقعہ نہ دیا۔

بیماری اور وفات

آخر میں میں ایسے سانحہ کا ذکر کرنے لگا ہوں جو میری زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

آپ ۱۸ جولائی ۱۹۵۸ء کو اپنی والدہ کو ملنے میرے ساتھ تشریف لے گئیں آپ کا ارادہ چونکہ ۱۹ جولائی کو حضور کے ساتھ واپس جابہ جانے کا تھا اس لئے آپ ۱۸ کی صبح کو جمعہ کے روز پنڈی پوائنٹ پر اپنی والدہ کے پاس گئیں وہاں تقریباً دو گھنٹہ بیٹھیں طبیعت بالکل ٹھیک تھی واپسی پہ بازار کچھ دیر ٹھیریں جب ہم واپس آنے لگے تو فرمایا کہ اب تو جمعہ کا وقت ہو رہا ہے شام کو دوبارہ آئیں گے۔

میں جمعہ پڑھ کر آپ کے ہاں گیا آپ پلنگ پہ بیٹھی ہوئی تھیں وہاں پر چند لوگ اور موجود تھے۔ باتوں باتوں میں کہنے لگیں کہ میری نے بعض اتنے شدید صدمے سہے ہیں کہ حیران ہوں میں اب تک زندہ کیونکر ہوں۔ مجھے اس بات کی اتنی تکلیف ہوئی کہ میں ایک سیکنڈ بھی وہاں نہ ٹھیر سکا اور سیدھا اپنے کمرہ میں آ گیا اور پلنگ پر لیٹ گیا لیکن وہاں بھی کچھ بے کلی سی محسوس ہوئی فوراً اٹھا دوبارہ آپ کے کمرہ میں آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ لحاف اوڑھے لیٹی ہیں اور تھر تھر کانپ رہی ہیں۔ میں نے گھبرا کر پوچھا۔ امی جان آپ کو کیا ہوا۔ ابھی تک میرے کانوں میں آپ کے پہلے الفاظ گونج رہے تھے مگر کپکپی اتنی زیادہ تھی کہ آپ بول نہ سکیں۔ میں نے جلدی سے گرم تیز کافی بنا کر دی اور ساتھ ہی A.P.C کی ایک پڑیہ دی۔

آپ کے اوپر لحاف اور کمبل ڈالا۔ گرم پانی کی بوتل رکھی مگر کپکپی دور ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔ تقریباً گھنٹہ کے بعد ہی مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کے پاس گیا کہ اس طرح آپ کو کپکپی سے بخار چڑھ رہا ہے۔ میں فلاں فلاں چیز دے چکا ہوں مگر حالت بدستور ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک ہے کچھ دیر ہی افاقہ ہو جائے گا۔

جب دو گھنٹہ تک شدت میں کمی نہ آئی تو میں دوبارہ اُن کے پاس گیا۔ ڈاکٹر صاحب میرے ساتھ ہی تشریف لے آئے آپ کو دیکھا اور دوائی بھجوا دی حضرت صاحب کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے بھی دوائی بھجوائی تقریباً تین گھنٹہ کے بعد جسم کی کپکپی تو دور ہو گئی مگر بخار ۱۰۴ تک ہو گیا۔

ہفتہ کی صبح کو حضور نے اپنا پروگرام ملتوی کر دیا اور مری کے سول سرجن کو بلا کر دکھایا۔ اُس نے پلیریسی تشخیص کیا اور تسلّی دی ایک آدھ روز میں ٹھیک ہو جائیں گی۔

اتوار کی صبح کو حضور نخلہ (جابہ) تشریف لے گئے اور میرے بڑے بھائی ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کو جو کہ ربوہ میں تھے فون پر تاکید کی کہ فوراً مری پہنچو۔ جب آپ مری پہنچے اُس وقت بھی ٹمپریچر ۱۰۳، ۱۰۲ کے قریب تھا اور یہی حالت مرزا منور احمد صاحب کی آمد کے تین چار روز بعد تک رہی اور اس عرصہ میں تنفس کی تکلیف شروع ہو گئی تھی۔ سانس اس طرح آتا تھا جیسے کسی بکرے نا تمام ذبح کر کے پھینک دیا گیا ہو۔ اس قدر خوفناک آواز نکلتی تھی کہ قریب بیٹھنے والے تک خوف کھاتے تھے نیز تنفس میں تیزی بہت تھی۔ لہٰذا ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے راولپنڈی سے آکسیجن سلنڈر منگوائے اور آکسیجن دینی شروع کی۔ ۲۶ جولائی کو کھانسی میں

شدت ہو گئی اور تنفس کی تیزی میں اضافہ ہو گیا۔ لہٰذا نئے سول سرجن کو بلایا گیا اُس نے کھانسی کی مزید دوائیاں تجویز کیں مگر کسی سے افاقہ نہ ہوا۔ آخر ۲۹ جولائی کو سینہ و دل کے سرجن کرنل شوکت کو بلایا گیا۔ اُنہوں نے دیکھ کر کہا کہ بیماری کا اثر دل پر بہت زیادہ ہو گیا ہے اور (CONGESTIVE HEART FAILURE) پورے طور پر شروع ہو چکا ہے۔ ستائیس تاریخ سے امی جان کے منہ، معدہ اور انتڑیوں میں چھالے نکل آئے تھے جس کا مرزا منور احمد صاحب بار بار اظہار فرماتے تھے کہ بڑی تشویشناک تکلیف ہے۔ ۳۰ جولائی کو ڈاکٹر پیرزادہ محمد اسلم صاحب کو لاہور سے مرزا مظفر احمد صاحب نے بھجوایا۔ اُنہوں نے مری پہنچ کر آپ کا معائنہ کیا۔ جو ادویہ تجویز کیں اُن میں سے دو نہ مل سکیں۔ وہ لاہور سے اگلے روز وفات کے بعد ہی آئیں۔

۳۰ جولائی کی رات کو نخلہ (جابہ) سے آدمی آیا کہ حضور ۳۱ جولائی کو مری پہنچ رہے ہیں۔ میں نے آکر حضرت امی جان سے عرض کیا کہ ابا جان صبح آ رہے ہیں۔ آپ نے سن کر صرف اتنا فرمایا پہلے آجاتے تو اچھا ہوتا۔ میں آپ کے اس فقرہ سے کانپ اُٹھا اور فوراً میرے دل میں یہ شعر آیا ؎

پتھر پڑیں صنم تیرے ایسے پیار پر
جب مر گئے تو آئے ہمارے مزار پر

اس شعر کے یاد آنے سے میرے رہے سہے حواس بھی مختل ہونے لگے۔ میں نے اپنے آپ کو بہت سنبھالا اور دعا میں لگ گیا کہ خدایا اگر امی جان کی وفات ہی مقدر ہے تو میں اُن پہ اپنی عزیز سے عزیز ترین چیز قربان کرتا ہوں تو جو سمجھتا

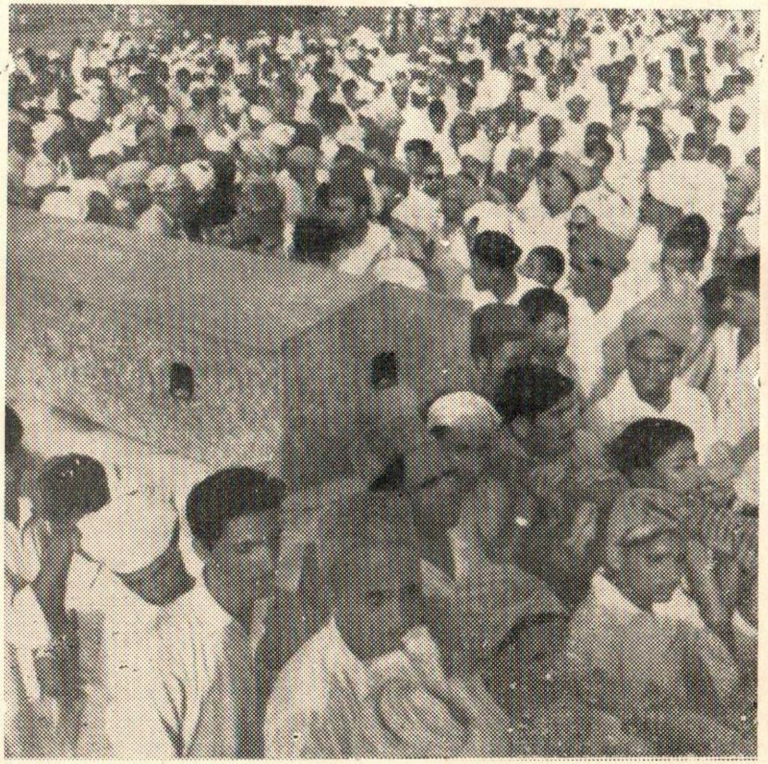

اک جنازہ جا رہا ہے انسووں کے دوش پر۔

ہے کہ مجھے جو چیز سب سے زیادہ (آپ کے بعد) عزیز ہے مجھ سے اُس کی قربانی لے لے مگر میری امی جان کو زندگی دے دے۔ مگر خدا کو شاید یہ منظور نہ تھا

بہرحال وہ رات میرے لئے بڑی بے چینی اور بے کلی کی رات تھی۔ میں رات دو بجے تک آپ کی چارپائی کے قریب بیٹھا رہا۔ ڈیڑھ بجے آپ کی آنکھ کھلی مجھے پائنتی پر بیٹھا پایا (میں اس وقت آپ پر دم کر رہا تھا) فرمانے لگیں "جاؤ بچے سو جاؤ بہت دیر ہو گئی ہے"۔ میں نے کہا امی جان آپ کو دوائی دینی ہے وہ دے کر سوتا ہوں۔ آپ فرمانے لگیں میں بالکل ٹھیک ہوں (حالانکہ سوتے ہوئے جو حالت میں نے دیکھی تھی وہ ناقابلِ برداشت تھی میں خود شدتِ غم سے تڑپ رہا تھا مگر آپ نے فرمایا نہیں میں ٹھیک ہوں) یہ میرے لئے آخری کلمات تھے آپ کے۔ میں نے اُٹھ کر دوائی دی آپ پر پھر غنودگی کی سی حالت طاری ہو گئی۔ ہاں مجھ سے اتنا کہا آکسیجن ہے؟ (حالانکہ آپ اس سے گھبراتی تھیں) میں نے سلنڈر کھولا مگر ہماری بدقسمتی سے آکسیجن بھی ختم ہو چکی تھی اور ایک سلنڈر بھی تو غلطی سے ہی خالی آگیا تھا۔

بہرحال دو بجے میں نے بھائی انور کو جگایا کہ آ کر امی جان کے پاس بیٹھیں اور خود بستر پر کروٹیں لینے لگا۔ صبح پانچ بجے کے قریب میری آنکھ بڑی بھیانک خواب سے کھلی۔ اور پہلی آواز جو میرے کانوں میں پڑی وہ میری بڑی ہمشیرہ کی تھی کہ بھائی، بھائی جلدی آئیں امی جان کو کچھ ہو گیا ہے۔ میں جہاں تھا وہیں ساکت ہو گیا۔ تین چار منٹ کے بعد دو چار الٹیاں آگئیں۔ اس دوران میں جو کچھ ہوا وہ مرزا منور احمد صاحب کی قلم سے سُنیں :

"اکتیس جولائی صبح سویرے میں امی جان کے پاس گیا تو مجھے فرمانے لگیں کہ رات اجابت ٹھیک طرح نہیں آئی نرس سے کہو کہ مجھے کموڈ پر بٹھا دے (آہ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ میری امی جان کے آخری الفاظ تھے جو میرے کان میں پڑے) میں نے کہا آپ کی طبیعت بہت کمزور ہے میں نرس سے کہہ دیتا ہوں کہ آرام سے بیڈ ہی پر اجابت کرا دے یہ کہہ کر میں نے نرس کو ہدایت دی اور چھوٹی ہمشیرہ امۃ العزیز کو بُلا کر لایا تاکہ بعد میں دل کی دوائی دے سکوں۔ اس کے بعد میں اپنے کمرہ میں آ کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد امۃ العزیز دوڑی ہوئی آئی کہ جلدی چلیں امی جان کو کچھ ہو گیا ہے۔ میں فوراً بھاگ کر امی جان کے کمرہ میں گیا (جو میرے کمرہ کے ساتھ ہی تھا) تو وہ چیز دیکھی جس کو دیکھنے کے لئے میرا دل تیار نہ تھا یعنی امی جان کا سانس رُک چکا تھا میں نے بھاگ کر مصنوعی سانس دلانے کی کوشش کی اور عزیزہ امۃ العزیز سے کہا کہ فوراً ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کو بُلاؤ اور باقی سب کو بھی بُلاؤ۔ میں مصنوعی سانس دلانے کی کوشش کرتا رہا۔ میرے ہاتھوں میں ایک دو دفعہ امی جان کو جھٹکے سے کھینچ کر لمبا سانس بھی آیا اس عرصہ میں عزیز اطہر احمد اور عزیز حنیف احمد باری باری مصنوعی سانس دلاتے رہے۔ مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب بھی فوراً آ گئے انہوں نے ٹیکے تیار کئے اور میں نے دل میں چار پانچ ٹیکے کئے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری امی جان کو بُلاوا آ چکا تھا۔"

میں اپنی چارپائی پر جامد و ساکت پڑا تھا اور سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ لوگ ادھر اُدھر کیوں بھاگ رہے ہیں جب ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب اپنا ڈاکٹری کا سامان لئے باہر نکلے تو مجھے احساس ہوا کہ میری ہستی کی بہار مجھ سے رُوٹھ چکی ہے۔

عجیب بات ہے عین وفات کے وقت فضا میں چند بدلیاں تیرتی ہوئی نظر آئیں اور ہماری کوٹھی پر ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی جو خدا کی رحمت کی بارش کر رہی تھیں۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد مطلع پھر صاف ہوگیا۔ اور جب آپ ربوہ سے مری کو روانہ ہوئی تھیں یعنی چودہ مئی وہ دن بھی بڑا ہی ہیبت ناک تھا صبح سے خونی آندھی منڈلا رہی تھی جو اس بات کا اشارہ کر رہی تھی کہ مستقبل قریب میں اس کا نتیجہ کسی بڑے حادثہ پر منتج ہونے والا ہے۔

اُدھر وفات کے قریب ہلکی ہلکی بارش خدا کی رحمت بن کر آپ کے استقبال کو آئی تاکہ اس محبت و اخلاص ایثار اور اعلیٰ اخلاق کی پُتلی کو اپنے آغوش میں لے کر جنت الفردوس تک لے چلے۔

وفات کے وقت کسی قسم کی بے چینی یا گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا نہ ہی الفاظ سے اور نہ ہی اشاروں سے بلکہ بڑے ہی پُر سکون طریقہ سے اپنی جان اپنے غفار و ستار رب کو سونپ دی

وفات کے بعد چہرے پر نُور کی کرنیں پھُوٹ رہی تھیں کسی مردہ انسان کا چہرہ لگتا ہی نہ تھا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی معصوم بچہ اپنے کھلونوں سے کھیلتا کھیلتا بہت ہی شیریں نیند سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ چہرہ کی ترو تازگی آخری وقت تک رہی۔ ربوہ جب ہم ۲۱ گھنٹہ کے بعد پہنچے تو ہر ایک دیکھنے والا یہی کہتا تھا کہ

یوں لگتا ہے جیسے آپ آرام فرما رہی ہوں۔ چہرہ پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی جیسے کوئی ابدی سکون کا متلاشی اپنی منزل پا کر کھِل جاتا ہے۔

آپ مسلسل دو سال سے اپنی وفات کی خوابیں دیکھ رہی تھیں مجھے آپ اپنی تقریباً ہر خواب سُناتی تھیں جس سے مجھے بڑی فکر ہوتی تھی پھر میں نے بھی آپ کی بیماری کے دوران میں ایک ایسی خواب دیکھی جو وفات ظاہر کر رہی تھی۔ اس خواب کا ذکر میں نے مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب سے آپ کی بیماری کے دوران ہی کیا۔ اسی طرح کئی افراد کو بیماری کے دوران میں اور اس سے کچھ عرصہ قبل آپ کی وفات کی خبر دی گئی

میں ۱۹ جون کو مری کے لئے روانہ ہوا تھا اور اس سے قبل مرزا ناصر احمد صاحب نے آپ کی وفات کے متعلق خواب دیکھی چنانچہ ہم بھائیوں اور بہنوں نے صدقہ دیا۔ بیماری کے دوران میں مرزا مبارک احمد صاحب نے بکرا صدقہ کروایا۔ اس کے علاوہ باقی تمام بھائی بہنوں نے الگ الگ بکرے صدقہ کروائے۔

چونکہ یہ تقدیر مبرم تھی اس لئے ہمیں رضائے الٰہی کے سامنے جھکنا پڑا اور باوجود انسانی استطاعت ہر ممکن طریقہ کے آپ کے بچے آپ کو اپنے قریب نہ رکھ سکے۔ بیماری کے دوران سب بچوں کو خدمت کا موقعہ ملا سوائے ناصرہ بیگم صاحبہ اور مرزا ناصر احمد صاحب کے جو کہ ربوہ میں تھے۔ اور مرزا حفیظ احمد صاحب کے جو کہ کراچی میں تھے۔

بیماری کے دوران میں کئی بار آپ نے مرزا حفیظ احمد صاحب کا پوچھا مجھے کئی بار کہا کہ حفیظ کو میری بیماری کی اطلاع کر دی ہے میں نے عرض کیا کہ خط لکھ دیا ہے

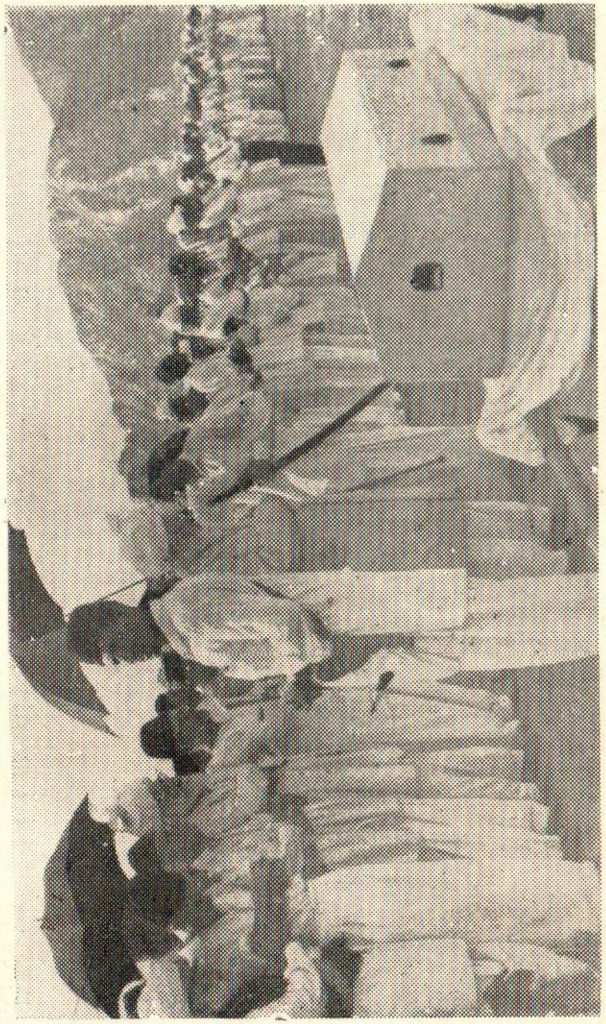

رحمتیں ہر گام پر تیری نگہداری کریں۔

مگر اتنا کسے ہوش تھا کہ صحیح حالات لکھ سکتا اس لئے جب مرزا حفیظ احمد صاحب بذریعہ ہوائی جہاز راولپنڈی آ رہے تھے تو لاہور کے ہوائی اڈہ پر آپ کو اپنی امی جان کی وفات کی خبر ملی۔

باقی مرزا مبارک احمد صاحب، مرزا منور احمد صاحب، مرزا انور احمد صاحب مرزا اظہر احمد صاحب، امۃ العزیز بیگم اور خاکسار آپ کے ساتھ ہی مری میں تھے۔ امۃ العزیز بیگم صاحبہ کی چھوٹی لڑکی کوثر ایک روز کہنے لگی۔ امی جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو نہ آپ ہمارا اتنا خیال رکھتی ہیں اور نہ ہی سارا دن ہمارے پاس بیٹھی رہتی ہیں اب امی جان بیمار ہوئی ہیں تو سارا دن اُن کی خدمت ہی کرتی رہتی ہیں۔

بہرحال ہر بچے نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق ماں کی خدمت کر کے جنت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

آپ کی بیماری کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ ہے۔ وفات سے چند روز قبل سے یہ لگ رہا تھا کہ آپ کچھ وصیت کرنا چاہتی ہیں مگر حضور کا انتظار کر رہی تھیں کیونکہ ماں جس کے بچے خواہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں اُس کے نزدیک بہرحال بچے ہی ہوتے ہیں۔ اُن کا خیال ہوگا یہ نہ ہو کہیں وصیت سے یہ بچے دل چھوڑ بیٹھیں۔

بہرحال اسی وجہ سے وہ بڑی شدت کے ساتھ آخر دم تک حضور کا انتظار کرتی رہیں۔ چونکہ صبر بے انتہا تھا اس لئے اپنی کسی آخری خواہش کا اظہار اپنے بچوں کے سامنے نہ ہونے دیا بلکہ ضبط کر گئیں۔

اب بھی بسا اوقات بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ وہ کون سی خواہش تھی جس کو بتلانے کے لئے آپ مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھیں۔

آپ کی وفات کی خبر ریڈیو پاکستان نے دو دفعہ نشر کی تمام اخباروں میں شائع ہوئی اور لوگوں نے بے شمار خطوط اور تاروں سے اظہارِ افسوس کیا۔ تمام جماعت ہائے پاکستان و بیرونِ پاکستان نے تعزیتی قرار دادیں پاس کیں۔

جناب اختر حسین صاحب گورنر پنجاب نے بھی افسوس کا خط مرزا مظفر احمد صاحب کو لکھا جس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ مَیں ابھی مری ہی میں تھا مجھے اُن کی وفات کا علم ہوا تو مَیں کوٹھی پر گیا مگر معلوم ہوا کہ جنازہ جا چکا ہے۔

کثیر لوگوں نے آپ کے جنازہ کو کندھا دیا اور اس طرح ہم سب کی امی جان نے اپنی آخری آرام گاہ میں جا نزول اجلال فرمایا۔

بسترۂ نورستہ تیرے در کی دربانی کرے
آسماں تیری لحد پر گوہر افشانی کرے

آخر میں مَیں احباب جماعت سے درخواست کرتا ہوں کہ سیدہ موصوفہ کو اپنی خاص دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھا کریں۔ آپ نے جس قابلِ تقلید طریقہ سے زندگی گذاری ہے کس طرح محمدؐ رسول اللہ کے دین سے محبت تھی۔ اُسوۂ حسنہ کی آپ جیتی جاگتی تصویر تھیں

اپنا سب کچھ اسلام پر نچھاور کر دیا اور کبھی بدلہ نہ چاہا ہمارا خدا اس عظیم ہستی پر اپنا بے شمار فضل کرے اور اُسے جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ کے درجات بلند کرے۔ اور ہر احمدی کو اُن کے نیک نمونہ کی تقلید کی توفیق دے آمین۔ اَللّٰھُمَّ صلِ علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد

مرزا رفیق احمد

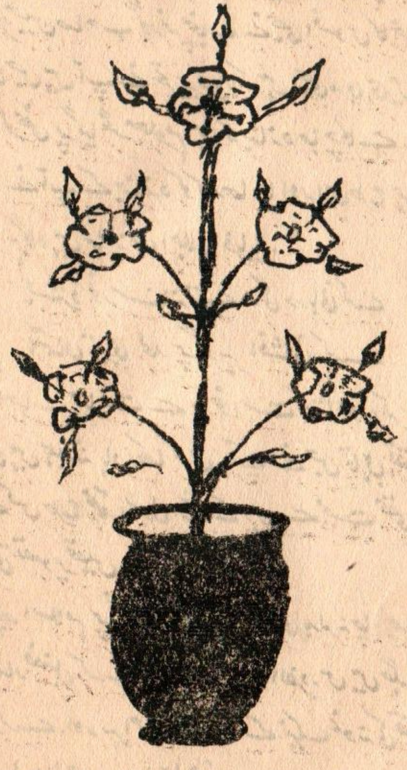

مکتبہ : محمد اسلم نثار - بازار ستھاں - لاہور

فہرس

۱- پیش لفظ	۳
۲- چند جھلکیاں	۵
۳- خاندانی حالات	۱۹
۴- زمانہ بچپن	۲۲
۵- شادی	۲۶
۶- حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محبت	۲۸
۷- احمدیت اور قرآن سے محبت	۳۲
۸- دعاؤں میں اثر	۳۸
۹- ہمت اور شجاعت	۴۲
۱۰- افراد جماعت سے عام ہمدردی	۴۵
۱۱- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے تعلق	۶۶
۱۲- بیماری اور وفات	۶۹